بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ دیوان درد

کوئی درد آشنا کہہ گیا ہے ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار	زیک ساغر دریں بزم اند سرمست
ولے با بادۂ بعض حریفاں	فریب چشمِ ساقی نیز پیوست
مشو مستانکہ در اشعارِ ایں قوم	ورائے شاعری چیزے دگر ہست

خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمۃ کے دمِ قدم سے "ورائے شاعری" مضامین سے اُردو ادب فیضیاب ہوا ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا	ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

عموماً اُردو شاعری کا سرمایہ بارِ حسنِ ظاہر کے اندر ہیں۔ جن میں حسنِ بیاں نے چار چاند لگا دئے ہیں خواجہ صاحب کی چشمِ حق بیں جمالِ حقیقی کے جلووں سے منور تھی وہی نور اُن کے کلام میں تاباں ہے۔ میر تقی میر لکھتے ہیں۔ "گلچیں خیال اور گلِ معنی دامن دامن"۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام کا پایہ عام شاعری سے بالاتر ہے۔

ادبِ اُردو سید راس مسعود صاحب کے خاندان کی سرپرستی کا برسوں سے ممنون رہا ہے۔ سرسید نے اُردو نثر کو "بیانِ مطالب" کی دولت بخشی۔ شگفتہ سماس "پوتے" نے نظمِ اُردو کی خدمت کی۔ "انتخابِ زریں" کی اشاعت سے اُردو نظم کا نام روشن کیا۔ سونے میں سہاگہ ڈالا۔ اساتذۂ اُردو کے دواوین نئی خوش اسلوبی سے شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

اوسی سلسلے کی ایک کڑی "دیوان درد" بھی ہے - شروانی دہقانی مقدمہ نگاری پر مامور ہے عین سعادت کہ خواجہ صاحب کی بزم ادب میں باریابی کا ذریعہ ہاتھ آیا - ع

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

خواجہ صاحب کے حالات

نام خواجہ میر - درد[1] تخلص - صحیح النسب حسینی سید ہیں - آبائی سلسلہ بارہویں پشت میں خواجہ بزرگ بہاؤالدین نقشبندی قدس سرہٗ سے اور چھبیسویں پشت میں حضرت امام عسکری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے مادری سلسلہ نسب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے - خواجہ صاحب کے والد کی والدہ بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھیں - والد کا نام خواجہ ناصر - عندلیب تخلص نانا میر سعد محمدؒ - حسنی تھے - جو بیٹے تھے نواب میر احمد خاں شہید کے - نواب صاحب پانی پت کے معرکہ میں نادر شاہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے - جہانکشائے نادری میں اوس کا ذکر ہے - میر رفیع سودا کے ممدوح تھے - خواجہ صاحب کے نسب کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے فاش غلطیاں کی ہیں - ہمارا بیان خواجہ صاحب کے علم الکتاب سے ماخوذ ہے - مسکن پرانی دلّی میں تھا - اوسی محلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بھی سکونت تھی - "اوجڑے دیار" کی آبادی و مردم خیزی - اللہ اکبر! خواجہ ناصر صاحب کے والد بخارا سے تحصیل علم کے بعد عہد عالمگیری میں وارد ہندوستان ہوئے تھے -

---

[1] اس تخلص میں ایک خاص لطف ہے - حضرت شاہ گلشن حضرت شاہ محمدؒ وحدت گُل کے مرید تھے - اب شجرۂ تخلص ملاحظہ ہو -

شاہ محمدؒ وحدت - گُل

حضرت شاہ سعد اللہ - گلشن

خواجہ محمد ناصر صاحب - عندلیب

خواجہ میر صاحب - درد

خواجہ محمد میر صاحب - اثر

دیکھو "گُل" کی جلوہ نمائی سے ظہور "گلشن" ہوا گلشن نے نالہ عندلیب پیدا کیا - نالۂ عندلیب سے "درد" جلوہ افروز ہوا درد سے "اثر" ع این سلسلہ از طلائے ناب ست + این خانہ تمام آفتاب ست -

خواجہ محمد ناصر صاحب ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدا شاہی منصبداروں میں شامل تھے اور منصب ترک کرکے یادِ الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ حضرت قبلۂ عالم خواجہ محمد زبیر سے بیعت کی۔ حضرت شاہ گلشن بیر صحبت ہیں۔ شاہ گلشن کی نسبت خواجہ صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں "کہ اون کے فارسی کلیات میں دو لاکھ کے قریب شعر تھے۔ فن موسیقی میں کامل مہارت تھی۔ ستر برس کے ہوئے تھے۔ اون کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

ہوں مرقع صد بہار رفتن گل ہی کیند	در ضمیر بہرہ مند از فیض شاہ گلشنم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح سے طریقۂ محمدیہ حاصل کیا۔ اون کی تصنیف "نالۂ عندلیب" کا حجم اٹھارہ سو صفحے کا ہے۔ جس کو آزاد نے "ایک رسالہ" لکھا ہے۔ زبان فارسی ہے۔ قصے کے پیرایہ میں معارفِ ملیہ اور مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں۔ موقع موقع پر کثرت سے اشعار درج ہیں۔ وجہِ تصنیف خود یہ بیان فرمائی ہے کہ "اکثر آدمی مجھ سے مختلف مطالب اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ صوفی طریقت کے جویا تھے۔ ملّا احکام شرعیہ پوچھتے تھے۔ مثلاً حسن و احیائے مسالہ۔ بعض جوان مذہبِ شیعہ و سنی کی تحقیق چاہتے تھے۔ بعض اخلاقِ ستودہ کے متلاشی تھے کسی کو عشقِ مجازی کی حکایتوں کا شوق تھا۔ اہل عقل کو عقلی پیرایہ کی جستجو تھی۔ اسی عرصہ میں حضرت قبلۂ عالم نے رحلت فرمائی۔ ادائے تعزیت کے لئے اعزہ اور احباب کا مجمع میرے مکان پر ہوا۔ اسی موقع پر افسانہ کے پیرایہ میں "بزبانِ ہندی" مطالب بالا کے جوابات خواجہ صاحب نے بیان کئے۔ تین شب و روز یہ صحبت رہی۔ اپنے اپنے مطالب کے جواب پاکر سامعین پر عجب عالم طاری ہوا۔ سامعین مُصِر ہوئے کہ اوس افسانہ کو قلمبند کردوں۔ عرصہ تک ٹالا۔ آخر اشارۂ غیبی پاکر فارسی زبان میں لکھ دیا۔ طریقہ تالیف یہ تھا کہ عشا کے بعد مخصوص احباب کے روبرو زبانی بیان کرتا۔ میر درد لکھتے جاتے۔ احیاناً وہ نہ ہوتے تو سید ارمیرے مرید قلمبند کرتے۔ کبھی وہ بھی نہ ہوتے تو خود میں ہی لکھتا جاتا اس طرح ۱۱۵۸ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی۔ "نالۂ عندلیب" نام پایا۔ میر درد صاحب نے تاریخ لکھی۔ ع۔

نالۂ عندلیب گلشن ماست ✣	

کتاب کو پڑھو اور کمال اور بیان کی قوت کا اندازہ لگاؤ۔ خواجہ عندلیب صاحب نے ۶۹ برس کے سن میں شعبان ۱۱۷۲ھ میں رحلت فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

خواجہ میر درد ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم اپنے والد ماجد سے کی۔ تفصیل تحصیل نظر سے نہیں گزری۔ لیکن تصانیف شاہد ہیں کہ نقلی اور عقلی علوم میں کامل تھے۔ خصوصاً علم الکتاب کے مطالعہ سے

واضح ہوتا ہے کہ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ تصوف۔ اور معقولات میں پوری مہارت حاصل تھی۔ ابتدائے شباب میں دنیا دار رہے۔ جاگیر اور معاش کے اہتمام میں پوری تگ و دو کی۔ امرائے شاہی اور مصاحبان بارگاہ کے ناز اوٹھائے۔ ۲۸۔ برس کی عمر میں جذبۂ حق نے اپنی طرف کھینچا سب کو چھوڑ کر اودھر جھکے۔ لباس درویشی پہن کر آستانۂ جاناں پر سر جھکا دیا۔ ۳۹ برس کی عمر میں خواجہ عندلیب صاحب کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ارشاد ہوئے۔ اور آخر دم تک قدم نہ ہٹا۔ مصیبتوں کے دریا چڑھے اور اُترے یہاں پائے استقامت کو جنبش بھی نہ ہوئی۔ انہی مصائب میں "حملۂ نادری" بھی تھا۔ خواجہ صاحب بارہویں صدی ہجری کے اولیائے کبار سے ہیں۔

تصنیف کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اور آخر عمر تک رہا۔ پندرہ برس کی عمر میں بحالت اعتکاف رسالہ "اسرار الصلوٰۃ" لکھا۔ اونتیس ۲۹ برس کی عمر میں رسالہ "واردات" لکھا۔ رسالہ مذکور ۱۱۷۲ھ میں ختم ہوا۔ اسکے بعد ایک مدت تک اوس کی شرح "علم الکتاب" لکھی۔ علم الکتاب کے بعد "نالۂ درد" لکھا جو ۱۱۹۰ھ میں پورا ہوا۔ میر اثر نے تاریخ کہی۔ ع نالۂ عندلیب درد من ست "نالۂ درد" کے بعد ۱۱۹۲ھ میں رسالہ آہِ سرد ختم ہوا۔ تاریخ اوسرا یہ ع "آہ سرد ما بد گرمی رفتار ما" "آہِ سرد" کے بعد رسالہ "دردِ دل" کی نوبت آئی اسی کے ساتھ ساتھ رسالہ "شمع محفل" لکھا گیا۔ دونوں کو ساتھ لکھنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ "نالۂ درد" اور "آہِ سرد" کی تالیف کے بعد جب رسالہ "درد دل لکھنا شروع کیا تو خیال آیا کہ اسکے بعد ایک رسالہ "شمع محفل" کے نام سے لکھوں گا۔ مگر چونکہ سِن باسٹھ ۶۲ برس کا ہو چکا۔ فرصت مفقود۔ لہذا دونوں کو ساتھ ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔ صفر ۱۱۹۵ھ میں دونوں رسالے ختم ہوئے

فنِ موسیقی میں خواجہ صاحب کو پورا دخل تھا۔ میاں فیروز خاں گویوں کا استاد حاضر ہو کر ان کے نکتے حل کرتا۔ دوسری اور چوبیسویں تاریخ کو ہر مہینے میں ایک مجلس سماع مکان پر ہوتی اسطرح کہ قوال بلا طلب حاضر ہو جاتے اور جب تک ان کا دل چاہتا گاتے اور چلے جاتے۔ نہ بلائے جاتے نہ روکے جاتے۔ سماع کی نسبت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ "در سماع من جانب اللہ است و حق برین امر ہمہ وقت گواہ کہ خود بخود گویندگان می آیند و ما دام کہ بخواہند می سرایند۔ نہ آنکہ فقیر ایشان را می طلبد و شنیدن سرود را چون دیگران عبادت می فہمد بلکہ ہمان معاملہ نہ انکار میکنم نہ این کار میکنم در پیش سنت و عقیدۂ من ہمان ست کہ عقیدۂ بزرگان من ست" (نالۂ درد - ۳۷)

۲۴ - صفر ۱۱۹۹ ہجری کو انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات از بیدار۔

تاریخ ۔ قطعہ

آفتابِ امتِ دینِ محمد خواجہ میر	مظہرِ علمِ علی و وارثِ اثنا عشر
حضرتِ دردؔ آنکہ از دردِ فراقِ عندلیب	نالہ تا ناصر کشید کرد بر دلہا اثر
چون گزید دنیا بعمرِ شصت و ہشتم سالگی	جانبِ اعلیٰ علیین او کردہ سفر
بندۂ بیدار کان مست از غلامانش یکے	جست از وقت وصال در روز و تاریخ چون خبر
یک بہشت آمادہ بالقب کرد و آیلا و گفت	ہائے بود آدینہ و بست و چہارم از صفر

اس تاریخ میں خواجہ صاحب کی عمر اڑسٹھ برس کی لکھی ہے۔ حالانکہ خود خواجہ صاحب کے بیان سے چھیاسٹھ برس معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ مزار شہر پناہ کے باہر شاہ حی کے تالاب کے متصل ہے۔ میں بھی فاتحہ خوانی سے مشرف ہوا ہوں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ نزع میں یہ مصرع خواجہ صاحب کے زبان پر تھا۔ ع ۔ درد ہم جاتے ہیں پر چھوڑے اثر جاتے ہیں۔ میر اثر خواجہ صاحب کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ یہ سلسلہ خواجہ محمد نصیر متخلص بہ "رنج" تک جاری رہا۔ جو خواجہ صاحب کے نواسے تھے۔ خواجہ صاحب کے صاحبزادے ضیاء الناصر تھے۔ تخلص "الم" تھا۔

تصانیف

بیان بالا سے خواجہ صاحب کی تصانیف کے یہ نام معلوم ہوئے۔ اسرار الصلوٰۃ ۔ رسالہ واردات ۔ علم الکتاب ۔ نالۂ درد ۔ درد دل ۔ آہ سرد ۔ شمع محفل ۔ اسکے علاوہ دیوان فارسی ۔ دیوان اردو ۔ جملہ تصانیف بالا شائع ہو چکی ہیں۔

اسرار الصلوٰۃ چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نماز کے ارکان ہشتگانہ کے اسرار تحریر کر کے بیان فرمائے ہیں۔ واردات ۔ یہ ایک سو گیارہ واردات کا مجموعہ ہے۔ ہر وارد کا نام جداگانہ ہے۔ مثلاً ۔ وارد اول: "فاتح الواردات" وارد ثانی "نور من اللہ" علیٰ ہذا القیاس۔ وجہ تالیف "واردات" کی یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اکثر اوقات غلبۂ حالات میں (جو عبارت ہے مشاہدہ کی حالت سے اور استیلائے تالہیہ سے) جو معانی دل پر منکشف ہوتے تھے وہ رباعیوں کی صورت میں منظوم ہو جاتے تھے جب یہ رسالہ تمام ہو گیا تو ۱۱۷۲ھ میں خواجہ عندلیب صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور پسند فرمایا گیا۔ رسالہ واردات میں معرفت و حقیقت کے مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں۔ ہر وارد کا ایک دیباچہ ہے۔ اول و آخر رباعی ہے۔ درمیان میں اشعار جا بجا نثر ہوتی۔ وارد اول

رباعی اول

درخلوتِ ما کہ رشکِ صد انجمن ست ۔ با خویش زباں چو شمع گرمِ سخن ست
عالم آئینہ خانہ است و مارا ۔ ہر سو کہ اشارت ست با خویشتن ست

رباعی آخر کی

از فیضِ تو ہر خرابہ معمور آمد ۔ وز لطفِ تو ہر غمزدہ مسرور آمد
تحتِ سیہش رخت ز عالم بربست ۔ ہر سایہ کہ زیرِ سایۂ نور آمد

واردِ دویم ۔ رباعی آخر کی ۔

ہستی و عدم خراب میخانۂ اوست ۔ امکان و وجوب مست پیمانۂ اوست
چشمِ دلِ تو اگر حقیقت بیں ست ۔ ہر ذرۂ خلق روزنِ خانۂ اوست

"علم الکتاب" رسالہ بالا کی شرح ہے جو میر اثر کی فرمایش سے لکھی گئی ۔ باریک خط کے بڑے بڑے صفحے ۸۴ ہیں ۔ خواجہ صاحب کے علمِ الٰہی کا تبحر اور کمالاتِ معرفت کی حقیقت اِس تصنیف سے واضح ہوتی ہے ۔ جا بجا عربی طویل عبارتیں بے تکلف غایت بلاغت کے ساتھ مثلِ چشمہ رواں ہیں ۔ مطالبِ حقہ کا ہجوم ہے ۔ آیات اور احادیث اس روانی اور آسانی سے ہر موقع پر درج ہوتی جاتی ہیں کہ پڑھنے والے کا قلب اون کے انوار سے پرنور و معمور ہو جاتا ہے ۔ سلوک کے مسایل کو آیات و احادیث سے مجتہدانہ اور عارفانہ قوت کے ساتھ ثابت و مدلل دیا ہے ۔ "نالۂ درد" میں فرماتے ہیں کہ "نالۂ عندلیب" اور "علم الکتاب" طریقۂ محمدیہ کے سلوک کے لئے کافی ہیں ۔ یہ کتاب متانت و قوتِ تحریر میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بہترین تصانیف کے ہم پلہ ہے ۔

"نالۂ درد" "علم الکتاب" کے بعد لکھا گیا دیباچہ میں فرماتے ہیں ۔

"علم الکتاب کے ختم ہونے پر جو مطالب "قلبِ حیراں پر" ترادش کرتے تھے اون کو برابر جمع کرتے گئے ۔ جب مجموعہ تیار ہو گیا "نالۂ درد" نام رکھا" ۔ اس میں لفظ ناصر کے عدد ۳۴۱ نالے ہیں ۔ یہ رسالہ سوز و گداز اور ولولۂ شوق سے معمور ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں ۔

۹ دردمی بارد از رسالۂ درد ۔ شرحِ دردِ دل ست نالۂ درد

"آہِ سرد" اس میں بھی ۳۴۱ سرد آہیں ہیں ۔ "نالۂ درد" و "آہِ سرد" دونوں مل کر گویا ایک کتاب ہیں ۔ "دردِ دل" "نالۂ درد" "آہِ سرد" دونوں ختم ہو گئے مگر دردِ دل بدستور تھا ناچار "دردِ دل"

لکھا۔ اس میں ۱۴۳ درد ہیں۔ ہر درد میں مطالبِ عرفان کی شرح ہے۔

شمعِ محفل۔ اس میں ۱۴۳ نور ہیں اور ہر نور معارف بلند سے معمور۔ رسالہ کا آغاز خواجہ صاحب کی عمر کے باسٹھویں سال میں ہوا تھا۔ چھیاسٹھ برس کی عمر تک دردِ دل کے ساتھ اس کی تحریر جاری رہی۔ اس رسالہ کا خاتمہ حیرت خیز اور واقعہ عبرت انگیز ہے۔ خاتمہ میں فرماتے ہیں۔ "اب میری عمر کا چھیاسٹھواں سال ہے اور یہ رسالہ ختم ہو رہا ہے۔ مبارک اسم اللہ کے بھی عدد ۶۶ ہیں۔ صحیفہ واردات ۱۱۷۲ھ ہجری میں ختم ہوا تھا۔ اسی سال والد عالی مرتبہ نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں رحلت فرمائی تھی۔ حسنِ اتفاق کہ اس رسالہ کا خاتمہ اس سال ہوا جو میرا سالِ ارتحال ہے۔ یہ رسالہ۔ رسالہ "شمعِ محفل" کے ساتھ ۱۱۹۵ھ میں شروع ہوا تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں ختم ہو رہا ہے۔ ظاہرا یہ خاتمہ توام ہے سکوت خاتمہ بالخیر راقم رسالہ سے" خواجہ صاحب کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ دیکھو اسی صفر کی ۲۴ تاریخ کو خواجہ صاحب نے رحلت فرمائی۔ یہ کہا تھا۔ سامعین کے رمز شناس سوچیں "شمعِ محفل" کا نور (۳۲۹) اس راز پر روشنی ڈالتا ہے جہاں فرماتے ہیں کہ مجھ سے وعدہ دیا گیا ہے کہ سالِ ارتحال و حالِ انتقال مجھکو پیشتر سے بتلا دیا جائے گا مرد اجل ناگہاں نہیں پہنچیگا۔ چاروں مذکورۂ بالا رسالوں میں یہ التزام ہے کہ سوائے اپنے اشعار فارسی کے اور کسی شاعر کا کلام درج نہیں کیا۔

"دیوانِ فارسی" دیوانِ فارسی مختصر ہے۔ ۱۳۰۹ھ ہجری میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا ہے۔ غزلیں ہیں۔ رباعیاں ہیں۔ مخمس وغیرہ بھی ہیں۔ زبان کا وہی انداز ہے جو فارسی گو شعرائے ہند خانِ آرزو وغیرہ کا ہے۔ معرفت کی قوت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے۔ ایک شعر سن لیجئے۔

بس منشاء ظہورِ دو عالم وجودِ ما
خورشید ہست عکس رخ جوش شراب ما

اس شعر سے زورِ کلام اور قوتِ نسبت کا اندازہ کیجئے۔ اگر "نالۂ درد" وغیرہ کے اشعار بھی شامل دیوان ہو جائیں تو ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو جائے۔ نمونہ غزل فارسی۔

غزل

خوش بود بادہ توحید بہ پیمانۂ ما
بیخودی پردہ کشائے حرم دل باشد

بحر دارد بہ گرہ قطرۂ مستانۂ ما
بستہ احرام رہش لغزش مستانۂ ما

وحدہا آئینہ باشد ماسدے کہ کنت — جلوۂ یار قدم رنجہ بکاشانۂ ما
زینت و زیبِ زنان باد مبارک بزبان — ساز دنیا نکند ہمتِ مردانۂ ما

سنّتِ طبع رسا ور دہمت مکشم
آشنا کردہ بہ معنی ہمہ بیگانۂ ما

غزل

اینیم اہم فرماتا در حضور آئیم — ہر جلوہ کہ داری در خود ترا نمائیم
عرفانِ بہر ما را حیرت گرفت آخر — آکنون نہ نورِ ایمان چشم بنقش کشائیم
از آشنائے ما بیگانگی ست او را — بیگانہ وار ہستیم از بسکہ آشنائیم
ما چشمِ نقشِ پائیم دید قصور داریم — گو در رہش فتادیم اما برہ نیائیم
او لشکرِ دل آرا۔ ما دل بدست دادہ — یارب چہ پیش آمد آبادہ ما نیائیم
ما از وفا ہمیشہ نوا رحما بگوئی — تا چند آزمائی تا چند آزمائیم

یاران رہ مہربانی دانند ہرچہ دانند
ما خوب می شناسیم ای درد آنچہ مائیم

متفرق

در دو سلطانِ سحر و گرستم — کہ لبِ خشک و چشمِ تر دارم

ولہا

صبحِ روزِ فراقِ شام بود — اے شبِ وصل شامِ تو سحر است

ولہ

فروغ ماہ در شبہا نوا دید — بہ ہندوستان نماید نور ایمان

ولہ

در دست چراغے کہ در رہ نگرم — آنکس بکف از دل آگاہ بگیرم

زبان ”اردو“۔ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

ادب اردو

خواجہ صاحب اردو شعرا کے تیسرے دور میں ہیں۔ میر و میرزا معاصر تھے دورِ سوم کے شعرا کی نسبت آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں "زبانِ اردو ابتدا میں کیا ہو رہی تھی۔ ان بزرگوں نے اوسے کدورتوں سے پاک صاف کیا اور ایسا بنا دیا ہے کہ جس سے ہزاروں ضروری کام اور آرایشوں کے سامان حسنوں کے زیور بلکہ بادشاہوں کے تاج و افسر تیار ہوتے ہیں ... نہ اسی صنعت میں کچھ کچھ تکلف بھی کریں گے مگر ایسا جیسے گلاب کے پھول پر شبنم یا بلور آئینہ۔ ان کا تکلف بھی اصل لطافت پر کچھ لطف زیادہ کرے گا اوسکی خوبی پر پردہ نہ ہوگا تم میر صاحب اور خواجہ میر درد کو دیکھو گے کہ اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں"۔ آگے چلکر لکھتے ہیں "ایسے استادوں اور بزرگوں سے یہی سنا کہ مرزا جان جاناں۔ سودا۔ میر۔ خواجہ میر درد۔ یہ چار شخص تھے کہ جنھوں نے زبان اردو کو خراد اوتارا ہے"

کلام بالا سے خواجہ صاحب کے ادبی صفات یہ واضح ہوئے۔ زبان کو پاک اور کلام کو آراستہ کیا۔ خراد اوتارا۔ اس سے بھی بڑھکر شہادت میر تقی میر اور میر حسن کی ہے۔ میر صاحب جب آگرہ سے دلی آئے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں شرف اندوز ہوتے رہے اونکے مشاعرہ میں شریک ہو کر اہلِ کمال کے مذاق سے آشنا ہونے اور اہل زبان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا موقع اونکو ملا۔ میر صاحب کی ترقی دیکھکر خواجہ صاحب فرماتے "میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد"۔ جب وہ مشاعرہ خواجہ صاحب کے یہاں بند ہو گیا۔ تو میر صاحب نے اونکی فرمایش سے اپنے یہاں مقرر کیا۔ اپنے مشاعرہ کی نسبت کہتے ہیں "واللہ کہ بذاتہ بسیار بزرگ است"۔ میر صاحب کو صاف اقرار ہے کہ اونکا کمال خواجہ صاحب کے پاک انفاس کا ممنون کرم ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "الحمدللہ والمنۃ کہ تربیت آں سر سلسلۂ شیدائیان شور افتاد۔ باطن آں حضرت قابلۂ اہل عرفاں کہ از خدا ہر چہ خواست زود کار کرد۔ (دیکھو تذکرہ میر تقی۔ حالات خواجہ صاحب) میر حسن نے بھی ابتدائے ذوق شاعری کی پختگی خواجہ صاحب کی صحبت میں حاصل کی۔ کریم الدین لکھتے ہیں "بچپن سے میر حسن کو شوق شعر کا تھا۔ جب اس شوق کی ترقی چاہی خواجہ میر درد کی صحبت میں رہے۔ انکا فیض صحبت ہے کہ وہ اپنے ارادہ پر مضبوط اور قائم رہے" (ترجمہ گارسین دتاسی) خود میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "میرے اوستاد میر ضیا ہیں مگر مجھ سے اونکے طرز کا کام نباہ نہ ہو سکا اس لئے میں نے دوسرے بزرگوں کی (مثل خواجہ میر درد۔ میرزا رفیع سودا اور میر تقی میر) پیروی کی۔ خواجہ صاحب کی خصوصیت خاص یہ ہے کہ اردو شاعری کے قالب میں حقیقت و معرفت کی روح پھونکی۔ مردہ جسم کو زندہ کیا۔ نمایاں وصف یہ ہے کہ اردو اوس میں

مذاقِ صحیح پیدا کیا۔ میر تقی میر اور میر حسن اُن کے صحبت یافتہ ہیں۔ امیر اور قائم اُن کے شاگرد ہیں۔ میر
فراق ۔ بھکاری داس عرف سارہ۔ آلم صاحبزادہ ہیں۔ ایک قریبی رشتہ دار شاعر مخلص ہیں

میر اثر کی مثنوی "خواب و خیال" افسوس ہے کہ اب تک دستیاب نہیں ہوئی مگر جو اشعار اُس کے محفوظ
ہیں اُن سے اور خواجہ حالی کی شہادت سے عیاں ہے کہ مثنوی مذکور ایک نمونہ تھی حُسنِ ادب کا۔ ابحاث میں آزاد
نے تصریح کی ہے کہ میر حسن جو انداز زبان دلی سے لائے تھے وہ اُن کے خاندان نے آخر تک قائم رکھا حالانکہ میر
انیس کہا کرتے تھے کہ "میرے گھر کی زبان ہے۔ صرف لکھنؤ اس طرح میں فرمایئے" نہ صرف یہ بلکہ انداز گفتگو طرز
معاشرت میں بھی آخر تک امتیاز قائم رہا۔ جن صاحبوں نے میر انیس اور میرزا دبیر کو دیکھا ہے وہ میرے بیان
کی تصدیق کریں گے اب یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مثنوی خواب و خیال مثنوی بدر منیر اور مراثی انیس سے جو فخر و شرف
ادبِ اردو کو حاصل ہوا وہ خواجہ صاحب کے فیض تربیت کا ممنون ہے

خواجہ صاحب شاعری کی نسبت ایک موقع پر فرماتے ہیں اس سے اندازہ کرو کہ کسی پاکیزہ شاعری کا
مفہوم خواجہ صاحب کے ذہن میں تھا۔ "شاعری ایسا کمال نہیں جس کو مردِ آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اُس پر مدار
کرے البتہ انسانی ہنروں میں سے ایک ہنر ہے بشرطیکہ صلہ حاصل کرنے اور در بدر پھرنے کا آلہ نہ بنے اور مدح
اور ہجو نہ کمانے کے لیے۔ کیونکہ وہ گداگری کی ایک صورت ہے اور طماعی اور بدنفسی کی دلیل" (نالۂ درد ۳۸)۔
ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "اس سے پہلے بہت ہی کم آدمی ایسے نظر آتے تھے جو "سلسلۂ جنبانِ سخن" ہوں۔ اب تو
کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں۔ دل نے اصرار چاہا تھا کہ دل پر جو معارف بارہا وارد ہوتے تھے اُن کو سخن فہم نکتہ سنجوں
کے سامنے بیان کروں اور اُن سے ہمکلام ہوں۔ تنہا انسان ہے اور زبانِ آدمیت کلام مربوط محبت لذت
رکھتا ہے اور دل کو شگفتہ کر دیتا ہے۔ علم انسان کا ہی خاصہ ہے جو خلیفۃ اللہ کو بتایا گیا ہے تاکہ فرشتوں کی مسجودیت
سب خاک اسی نعمت کی بدولت ہوئی ہے اب یہی فہم انسانوں سے زمانہ بالکل خالی ہو چکا ہے بعض جہلا توحید
اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو عین الحاد ہے بعض جنگجو مذہب و ملت کی باتیں اس طرح کرتے ہیں جو باعث فساد
ہو جاتی ہیں کچھ خام طبع باہم مکر و فریب اخلاص کا اظہار کرتے ہیں اور بیہودہ گوئی کے معرکے گرم کرتے ہیں عقل و
فہم کہاں خدا ایسی صحبتوں کے شر سے محفوظ رکھے"

خود اپنی شاعری کی نسبت فرماتے ہیں "فقیر کے اشعار باوجود رتبۂ شعری کی رعایت کے نتیجۂ شاعری
اور اندیشۂ ظاہری کے نتائج نہیں۔ بندہ نے کبھی شعر دل آمدگی اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ تکلف
کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا کبھی کسی کی مدح یا ہجو نہیں لکھی۔ کبھی فرمائش یا آزمائش سے متاثر ہو کر شعر نہیں کہا"

(علم الکتاب صفحہ ۹۱)

عشق مجازی کا مفہوم خواجہ صاحب کے یہاں معمولی سطح سے بلند رہا ہے فرماتے ہیں "بوالہوسی عشق مجازی

نہیں ہے اور اس مجاز کو حقیقت کی راہ نہیں کہہ سکتے مگر کیا عجب وہ عشقِ مجازی ہی جو مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیتی ہے
سے دردِ سر افزودہ اور عشقِ بتاں ہے درد میں مبتلا ستم دردِ دلے۔ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "میں کبھی رنگی
عشق بازی میں گرفتار نہیں ہوا لیکن دلِ آشنا صاف باطن" پایا ہے۔ محبوبوں سے تو کبھی سابقہ نہیں رہا البتہ دوستوں
کی صحبتِ بے تکلفانہ میں وقت گزارا ہے دو ساتھی ہمدم جب جمع ہوں اور "محفلِ زندہ دلی" گرم فرمائیں اس
مردہ دل، افسردہ خاطر" کو بھی یاد کریں اور فاتحہ حسرت سے شاد"

بیاناتِ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ خواجہ صاحب کی شاعری کی نوعیت اور تخیلِ شعر کی حقیقت کیا تھی؟

خواجہ صاحب کا دیوان اُردو مختصر ہے عام طور پر جو مطبوعہ نسخے ملتے ہیں بہت غلط ہیں اسی لیے جناب
سید راس مسعود صاحب کو صحیح نسخے کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا اور بہت صحیح پیدا ہوا۔ حیدرآباد میں ایک
سے زائد قلمی دیوان درد کے نسخے میسر یا بہم آئے۔ سید صاحب کی فرمائش سے میں نے سید معین الدین صاحب
شاہجہاں پوری (مترجم ہولس اعظم وغیرہ) کو تصحیح و مقابلے کی تکلیف دی اہلِ ادب کو ممنون ہونا چاہیے
کہ انہوں نے محنت و دیدہ ریزی سے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمایا اُسی نسخے سے یہ دیوان طبع
ہوا ہے۔ طبع کے بعد جب میں حیدرآباد سے حسبِ حکم آیا تو کتب خانہ میں ایک قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ملا جو
دہلی کے مطبع مصطفائی میں ۱۸۵۵ء میں اہتمام سے طبع ہوا تھا یہ نسخہ بہت صحیح ہے اور متعدد صحیح نسخوں کے
مقابلے سے چھاپا گیا تھا میں نے اِس نسخے سے بھی مقابلہ کرنے کی خواہش سید معین الدین صاحب سے کی
اور اُنھوں نے مہربانی سے محنت کر کے مقابلہ کیا یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ حالیہ مطبوعہ نسخہ قدیم سے بالکل
مطابق نکلا۔ صحت میں بھی اور مقدارِ کلام میں بھی

خواجہ صاحب کے کلام میں بعض ایسے الفاظ ضرور ہیں جو اب متروک ہو چکے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جو
زبان آج فصیح سمجھی جاتی ہے کل اُس کے کیسے الفاظ غیر فصیح اور نامانوس مانے جائیں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ معرفت اور
حقیقت کا رنگ، کلام کی پاکیزگی، تخیل کی بلندی، درد کی چاشنی سوز و گداز کا کندن ہر جگہ عیاں ہے نمایاں ہے
اشعار ذیل اس دعوے کے شاہد ہیں۔

غزل

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے — کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن — آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا — اور دل میں بھروسا ہے تو تیرے ہی کرم کا

ناسور جاں آنکھ ہوئے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس کشمکش میں عرصہ کوئی دم کا

دیگر

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِّ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو میرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

جاتی ہی نہ مری تپِ دل کے بعد مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

دیگر

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشنِ دوراں میں لے خفتگیِ طالع
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

اے شور زمانہ ساز اودھر ہی میں کھوتا ہوں
جو گئے ہیں ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اور دل سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ادھر کو نظر کوئی کھسکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا مارے
زلفوں نے لکھا کیسے یہ نامہ پیچیدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروئے پیوستہ
اے درد یہ ترا تو ہر مصرعہ خمیدہ

کاش ساقی نہ ہوتا گریہ بر دامن
صبح کے صدمے تو ہو رہے ابھی دکھلانے
کیوں اُسے آتش سوزاں میں لیے جاتی ہے
ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اُس نے

ہم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثر پروانہ
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ خطر پروانہ
راہبر شوق رہِ شمع کی جا ہے سفر پروانہ

شمع جل بھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اب درد میں کس سے خبر پروانہ

دیگر

اُس کی بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
جلوت دل نے کر دیا ہے جو اس میں خلل
ہو وے تو درمیاں سے اب شمع اُٹھائیے
نالۂ و آہ کیجیے خونِ جگر ہی سے پیجیے
حسرت مجھے جو چاہیے مدرسہ جوں نہ چھوڑ
عمرِ ملال رہا۔ کیا ہی طرف رہ میں

فصل بہار حسن کے باغ ایک یہ گل فروش ہے
حُسن بلائے جسم ہے۔ بلکہ وبال گوش ہے
بار میں ہے اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہے
عہد شباب کہتے ہیں موسم بادہ نوش ہے
سیر جہاں کی سیر کی۔ راہ میں حلق ہوش ہے
دل جو شگفتہ جس جگہ کوچۂ منفروش ہے

اے میاں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
ورد اگر لباس ہے وہ دہ عیب پوش ہے

دیگر

آپ جان و دل تو ماں وہ بت جو دو فروش ہے
دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے
کس کی نہ ہوئی ہے صبا گئی وسلسلہ باغ میں
آتشِ گل جوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
حادثۂ زمانہ کیا تیری خفا سو کیا ملا

پہلے ہی جس کے عکس۔ صبر و قرار ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اس کو۔ اور کعبہ سیاہ پوش ہے
غنچے سبھی دہاں ہیں۔ گل بھی تمام گوش ہے
سینہ شگفتہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے
ہم کو سپہر مت ڈرا۔ بس بھی ہاں تو بوش ہے

ہم نے تو ایک عمر چاہی چھپے نہ چھپ سکی
آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں
دور نہیں ہوا ابھی رنج شعور رسا تھا

اے گناہ کو برا عفو ہی پردہ پوش ہے
سینہ ہے مہر جاموشی دل میں بھرا خروش ہے
ایک دو سبو جام اور بھی ساقی ابھی تو ہوش ہے

محب رنج و غم نہاں درد نہ جی چھپایئے
بار سبھی اُٹھایئے جب تلک سر ہی دوش ہے

آخر میں یہ لکھنا ضروری ہے کہ جو حالات اس رسالے میں لکھے گئے ہیں اُن کا ماخذ خواجہ صاحب کی تصانیف ہیں بعض حالات یا مضامین ایسے بھی درج ہوئے جو دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں اُن کا حوالہ موقع پر دے دیا گیا ہے۔

میں ممنون ہوں کہ سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی سے بھی مدد ملی ہے۔ ناشکری ہوگی اگر میں نہ لکھوں کہ خواجہ صاحب کی نادر اور نایاب تصانیف (علم الکتاب۔ نالۂ درد وغیرہ) اور خواجہ عندلیب صاحب کی نالۂ عندلیب کی اشاعت کی سعادت نواب سید نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی کو نصیب ہوئی۔ یہ دین و علم کی ایسی بیش بہا خدمت تھی جو ہمیشہ اہل دل کو اُن کا ممنون رکھے گی۔ جزاہ اللہ خیراً

اللہ بس باقی ہوس

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی
المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر
حبیب گنج ضلع علی گڑھ
۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ م ۲۹ اگست ۱۹۲۳ء
یوم چہارشنبہ

سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کی ادبی سرگرمیاں
ایک عرصے سے اساتذہ اردو کے کلام کو تصحیح اور خوشنما صورت میں چھاپنے کی طرف متوجہ ہیں
نظامی پریس بدایوں کی خوش قسمتی ہی کہ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لیے اس کو منتخب کیا گیا یہ
سلسلہ سرکار آصفیہ کے نام سے منسوب ہی دیوان درد جو آج آپ کے مبارک ہاتھوں میں پہنچتا ہی
اس سلسلے کی تیسری کڑی ہی چونکہ ہر دیوان کے ساتھ ایک مقدمہ شامل ہونے کا دستور ہو گیا ہی
اس لیے سید راس مسعود صاحب نے اس دیوان کے لیے مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب
شیروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کا انتخاب کیا مقدمے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سید
صاحب کا یہ انتخاب کہاں تک صحیح ہی مقدمہ جس تلاش و تجسس سے لکھا گیا ہی وہ دراصل شیروانی
صاحب ہی کا حصہ تھا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے شائقین کلام درد کو کسی قدر زیادہ انتظار کرنا پڑا
لیکن مجھے امید ہی کہ مقدمے کی اہم معلومات اور دقیق نکات سے اس کا پورا معاوضہ ہو جائے گا
ارادہ تو یہ تھا کہ قدیم اردو کے متروک الفاظ و محاورات کی ایک فرہنگ بھی شامل کر دی جاتی
لیکن ہم ناظرین کو مزید انتظار کی تکلیف دینا نہیں چاہتے تھے اور افسوس ہی کہ یہ ارادہ آیندہ
اشاعت کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔

دیوان کی تصحیح کتابت اور اُس کی خوشنما طباعت کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ "دیوانِ درد" جو کارکنانِ نظامی پریس کی ادبی سعی کا ایک نمونہ ہے اپنا آپ ہی نظیر ہے۔

خواجہ میر درد کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی کی تصویر سوز و گداز کے مضامین عجیب دلکش پیرایہ میں ادا کیے گئے ہیں۔ ان کا تخیل نہایت زبردست ہے اخلاقی نکات سے ان کا کلام مالامال ہے اگر ہم خواجہ صاحب کے دیوان کی نسبت یہ کہیں کہ وہ پند و نصائح کے بیش بہا جواہر ریزوں کا گنجینہ ہے تو کچھ بیجا نہیں وہ خود فرماتے ہیں ؎

ہوں قافلہ سالار طریق قدما درد
جوں نقش قدم خلق کو میں راہنما ہوں

امید ہے کہ ہماری موجودہ نسل جس نے مغربی تعلیم کی روشنی میں پرورش پائی ہے اس قدیم اللسانی شاعر کے نادر کلام سے فائدہ اُٹھائے گی اور اس زمانہ میں بھی جبکہ اس کی تصنیف کو کم و بیش ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا فقط

خاکسار

نظامی بدایونی عفی عنہ

نظامی پریس بدایوں

۱۶ر صفر ۱۳۴۲ھ

الف

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہی تو لوح و قلم کا

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہی
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہی تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

ہی خوف اگر جی میں تو ہی تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہی تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو ای درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دونو جہاں کو روشن کرتا ہی نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

ہاں افتقار کا تو امکاں سبب ہوا ہی
ہم ہوں نہ ہوں ولیکن ہونا ضرور تیرا

باہر نہ ہو سکی تو قیدِ خودی سے اپنی
ای عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

ہی جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہی از بس غرور تیرا

ای درد منبسط ہی ہر سو کمال اُس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہی قصور تیرا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہماں تھے یاں اک تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہوگیا مہمان سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مت یاد کر
دردؔ یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

کبھی خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

چھپے ہرگز نہ مثلِ بو وہ پردوں کے چھپائے سے
مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو نے حجابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصّہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبود چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل
مہِ نو سے ہے پیدا عیب اُس کی بدرکابی کا

زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی دردؔ کچھ تو نے
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

جان پر کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھ کو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید رو ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ذکرِ وفا کیجئے اُس سے جو واقف نہ ہو
کہتے ہو کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا

مثلِ شررِ تنگ چشم ہستی نے بود ہے
دیکھ نہ سکنا اُسے ٹک بھی جدھر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا دردؔ بس

جی ہیں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھا

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہی کیمیا سے اپنا گداز کرنا
کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھل کر — ہی اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا
ای آنسوؤ نہ آوے کچھ دل کی بات منہ پر — لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا
تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہی تفرقہ ہیں — ای امتیاز ناداں کب تک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں ای درد کیا ہی کعبہ
جیدھر بھرے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
یارب یہ دل ہی یا کوئی مہماں سرائے ہی — غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا
ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر — لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا
سو بار سوزِ عشق نے دی آگ پر ہنوز — دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے پر ای مژدۂ وصال — کچھ آج ہوتے ہوتے سر انجام رہ گیا
باسند سے وہ نپاک تو موقوف ہو گئے — اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

ازبس کہ ہم نے حرف دوئی کا اٹھا دیا
ای درد اپنے وقت میں ابہام رہ گیا

جگ میں آکر ادھر اودھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جیدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اور عاشق مزاج ہی کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

عاشق بیدل تراپاں تک توجی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہونچے ہی پہونچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب نہ یاں
اپنے اپنے بوریئے پر جو گدا تھا شیر تھا

اشک نے میرے ملائے کتنے ہی دریا کے پاٹ
دامن صحرا ہیں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہونچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

کام یاں جس نے جو کہ ٹھہرایا
جب تلک ہووے آپ ہی کام آیا

بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
بے وفائی نے تیری سلجھایا

آنسو کب تک کوئی پیئے جاوے
اس محبت نے جی بہت کھایا

دشمنی میں سنا نہ ہووے گا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا

ہم نہ کہتے تھے منہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچونگا جب تک یہ آتا رہے گا

جفا سے غرض امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

قفس میں کوئی تم سے ای ہم صفیرو	خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا

خفا ہو کے ای درد مر تو چلا تھا
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

جی میں ہی سیر عدم کیجیے گا	یک بیک خلق سے رم کیجیے گا	۴
مورد قہر تو یاں ہم ہی ہیں	اور کس پر یہ کرم کیجیے گا	
سخت بے باک ہی یہ خامۂ شوق	اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا	
ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی	عیش کو کشتۂ غم کیجیے گا	
گرمی اشک سے مانند شراب	آب و آتش کو بہم کیجیے گا	
سینہ و دل کے تئیں داغوں سے	رشک گلزار ارم کیجیے گا	
قصد ہی قطع بطور مستاں	عرصۂ دیر و حرم کیجیے گا	
پھر جب آوے گی جی میں جوں برق	راہ طی اک دو قدم کیجیے گا	

شدت مہر بتاں دل سے آہ
درد کس طرح سے کم کیجیے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا	پر اسے آہ نے اثر نہ کیا	۱
سب کے ہاں تم ہوے کرم فرما	اس طرف کو کبھو گزر نہ کیا	
کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز	سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا	
کتنے بندوں کو جان سے کھویا	کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا	
دیکھنے کو رہے ترستے ہم	نہ کیا رحم تو نے بر نہ کیا	
آپ سے ہم گزر گئے کب کے	کیا ہی ظاہر میں گو سفر نہ کیا	

کونسا دل ہی وہ کہ جس میں آہ •
خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

تجھسے ظالم کے سامنے آیا
جان کا مین نے کچھ خطر نہ کیا

سب کے جوہر نظر میں آسے دردؔ
تے ہنر تونے کچھ ہنر نہ کیا

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس مین ترے حُسن کے شعلے کے حضور
شمع کے مُنہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحًا لیکن
مین جو پہونچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

پرورشِ غم کی ترے یہاں تئیں تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینہ پہ کہ ناسور نہ تھا

محتسب آج تو میخانہ مین تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

دردؔ کے ملنے سے ای یار بُرا کیوں مانا
اُس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ مین کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے مین رو دیا ہوگا

اُن نے قصدًا بھی میرے نالے کو
نہ سُنا ہوگا گر سُنا ہوگا

دیکھیے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل زمانے کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

حال مجھ غمزدے کا جس تس نے
جب سُنا ہوگا رُو دیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہین
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

یک بیک نام لے اُٹھا میرا
جی مین کیا اُس کے آگیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دُنیا مین
بن کیے آہ کم رہا ہوگا

لیکن اُس کو اثر خدا جانے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا
میں چاہا ہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں کہ رات
ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا

گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

دشتِ عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم
کنجِ جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو درد داغِ جگر کو نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو ہو چکا ہو کسی کی نگاہ کا

زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بعکس
روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا

ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط دل کی چاہ کا

لیکن ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہے
گر درمیان حساب نہ ہو سال و ماہ کا

رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری اِدھر
یارب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

دل اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

سو بار دیکھیں ہیں نے تیری بے وفائیاں
تس پر بھی تمنا ضرور ہے دل میں نباہ کا

اے درد چھوڑتا ہی نہیں مجھ کو جذب عشق
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگِ کاہ کا

دل کس کی چشمِ مست کا سرشار ہو گیا
کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا

کچھ ہی خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

بیٹھا تھا خضر آ کے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

چاک جگر تو سیکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپش کے آگے میں ناچار ہو گیا

کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا جرس
نالہ مرا تو چھوٹتے ہی پار ہو گیا

اے درد ہم سے یار ہے اب تو سلوک میں
خط زخم دل کو مرہم زنگار ہو گیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گزر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب
اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

تیرے سبب سے اور بھی مجھ پر غضب ہوا
اے نالہ واہ خوب یہ تو نے اثر کیا

کم فرصتی نے ہستی بے اعتبار کی
شرمندہ تیرے آگے ہمیں ای شرر کیا

پیکان دل کے ساتھ ہوا جب معانقہ
سینہ سے تب خدنگ نے تیرے گزر کیا

روتا ہے گرم جوشی میں یاد کر کے درد
آتش نے مجھ کو شمع کے مانند تر کیا

شب گزری اور آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

اے آتش عشق جس کو ہم یاں
دل سمجھے تھے سو کباب نکلا

ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا
کچھ تو جی سے حجاب نکلا

ہر چند کیے ہزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو اے درد
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک دل متوطن ہے سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

جوں چاہیے اس طرح بیاں ہم سے نہ ہوگا
کر اپنے دہن سے ہی تو وصف اپنی کمر کا

آزاد کسی کی بھی اٹھاتے نہیں منت
نے خونِ جگر داغ تو مرجھا ہی چلے تھے

دیکھا نہ کسو سرو کو تہ بارِ ثمر کا
ہوتا نہ اگر چشمہ مرے دیدۂ تر کا

کہسار پہ ہر سنگ یہ کہتا تھا پکارے
ای دردؔ مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات ای صبا
لے نہ جاوے حرص اہلِ فقر کو
رات جب پہونچا میں اس کے روبرو
کھل گیا جو کچھ کہ تھا - ای نیستی!

کوئی دم کو ہم بھی ہو لیتے ہیں ہوا
رہ سکے کب موجِ نقشِ بوریا
جوں زبانِ شمع گم تھا مدعا
ہستیِ موہوم کا یاں افترا

دردؔ میری تیرہ بختی کے تئیں
ڈھونڈھیو ہمسایۂ ظلِ ہما

کھلا دروازہ میرے دل پہ ازبس اور عالم کا
بلند و پست سب ہموار ہیں اپنی نگاہوں میں
گلستانِ جہاں کی دید کیجو چشمِ عبرت سے
چمن میں باغباں سے صبح کو کہتی تھی یہ بلبل

نہ اندیشہ ہے شادی کا نہ مجھ کو فکر ہے غم کا
بہا بر سازہیں ہوتا ہے جوں سر زیر اور بم کا
کہ ہر اک سروقد ہے اس چمن میں نخل ماتم کا
گلوں کے منہ پہ یوں چڑھنی ہے دیدہ دیکھ شبنم کا

نہیں مذکورِ شاہاں دردؔ ہرگز اپنی مجلس میں
کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا

بس ہجومِ یاس جی گھبرا گیا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری ۔۔۔ جی میں یہ کس کا تصوّر آگیا
میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات ۔۔۔ پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا
پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد ۔۔۔ غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اُس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا ۔۔۔ پر مُنہ پھر اس طرف نہ کیا اُس نے جو گیا
پھرتی ہی میری خاک صبا در بدر لیئے ۔۔۔ ای چشمِ اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا
آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بیخوداں ۔۔۔ جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا
طوفانِ نوح نے تو ڈبائی زمیں فقط ۔۔۔ میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا
برہم کہیں نہ ہو گل و بلبل کی آشتی ۔۔۔ ڈرتا ہوں آج باغ میں وہ تندخو گیا
واعظ کسے ڈرائے ہی یوم الحساب سے ۔۔۔ گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا
پھولے گی اس زبان میں بھی گلزارِ معرفت ۔۔۔ یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا
آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاجِ دہر ۔۔۔ میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

ای دردؔ جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا ۔۔۔ برابر ہی دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مرا غنچۂ دل ہی وہ دل گرفتہ ۔۔۔ کہ جس کو کِسو نے کبھو وا نہ دیکھا
یگانہ ہی تو آہ بیگانگی میں ۔۔۔ کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں ۔۔۔ ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
حجابِ رخِ یار تھے آپ ہم ہی

کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز ای دردِ دوری ہو اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو مئے آشام ہی شیشا
صراحی و کدو تک خلق ای ساقی بھرے لے ہی
شب و روز اس طرح گزرے ہی اپنی تو نہ پوچھو کچھ
نگاہِ مست ان آنکھوں کی ٹک ایدھر بھی ہو ساقی

جہاں میں دخترِ رز سے عبث بدنام ہی شیشا
گرا پیا ہی خالی جوں دلِ ناکام ہی شیشا
صراحی صبح کو گر ہاتھ ہی تو شام ہی شیشا
کہ ہم کم حوصلے کے حق میں ہر یک جام ہی شیشا

نہ ہو گل شگفتہ کیونکہ دل ای دردِ مستوں کا
مئے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہی شیشا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اب دل کو سنبھالنا ہی مشکل
آنسو مرے جو تنھوں نے پونچھے
پھر ہونے لگا یہ دل تو نے چین
بارے پھر مہرباں ہوا ہی
شب ٹک جو ہوا تھا وہ ملایم

اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا
کتنے روزوں بہل گیا تھا
نئے طرح سے کچھ بچل گیا تھا
اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی کدھر ہل گیا تھا

یوں ہی ٹھہری کہ ابھی جائیے گا
پھر شتابی تو بھلا آئیے گا

جی کی جی ہی میں نہ رکھ جائیے گا
بات جو ہو گی سو فرمائیے گا

رخ ہمارا بھی اگر پائیے گا
تو تو منہ اپنا بھی دکھلائیے گا

میں جو پوچھا کبھو آؤ گے کہا
جی میں آ جائے گا تو آئیے گا

کیونکہ گزرے گی بھلا دیکھوں ہوں
گر اسی طرح سے شرمائیے گا

میں خدا جانے یہ کیا دیکھوں ہوں
آپ کچھ جی میں نہ بھرمائیے گا

میرے ہونے پہ عبث رکتے ہو
پھر کبھی بھی تو گھبرائیے گا

پوچھ کر حال تو پھر سنتے نہیں
بس مجھے اور نہ بکوائیے گا

کہیں لوگوں میں بھلا ہم کو بھی
پھرتے چلتے نظر آ جائیے گا

زلف میں دل کو تو الجھاتے ہو
پھر اسے آپ ہی سلجھائیے گا

خدمت اوروں ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندے کو بھی فرمائیے گا

قتل تو کرتے ہو مجھ کو لیکن
بہت سا آپ ہی پچھتائیے گا

حرم و دیر تو ہم چھان چکے
کہیں اس کا بھی نشاں پائیے گا

درد ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

بظاہر کہیں غنچہ دل سے ملا تھا
کل اس کا گریبان و دست قضا تھا

تمنا مرخص ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہو گیا اور مرے دل میں کیا تھا

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھی تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا

کہا میں مرا حال تم تک بھی پہونچا
کہا تب اچنبا سا کچھ میں سنا تھا

برائی تری کچھ نہیں بات کیا ہے
مرا دل ہی یہ میرے حق میں برا تھا

تم اگر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے — لگا ہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا

بلائیں جو کچھ اس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو ای درد اس سے بھلا تھا

اپنا تو نہیں یار میں کچھ یار ہوں تیرا — تو جس کی طرف ہووے طرفدار ہوں تیرا
کڑھنے پہ مرے جی نہ کڑھا تیری بلا سے — اپنا تو نہیں غم مجھے غمخوار ہوں تیرا
تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہے — آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا
تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم — تو گل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا
ہے عشق سے میرے ہی ترے حسن کا شہرہ — میں کچھ نہیں پر گرمی بازار ہوں تیرا
میری بھی طرف تو کبھی آجا مرے یوسف — بوڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں تیرا

ای درد مجھے کچھ نہیں اب اور تو آزار
اس چشم سے کہدینا کہ بیمار ہوں تیرا

تو کب تئیں مجھ ساتھ مری جان ملے گا — ایسا بھی کبھو ہوگا کہ پھر آن ملے گا
چلیے کہیں اس جا پہ کہ ہم تم ہوں اکیلے — گوشہ نہ ملے گا کوئی میدان ملے گا
شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا — کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا
رو بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے — کافر جو ترے ساتھ مسلمان ملے گا
نزدیک ہی پر اپنے بلانے سے کب آوے — مل جاے گا تو دور سے پہچان ملے گا
یوں وعدے ترے دل کی تسلّی نہیں کرتے — تسکین تبھی ہووے گی تو جس آن ملے گا

ای درد کہاں میں نے ملو جس سے کہ چاہو
کہنے لگا تجھ سا کوئی انسان ملے گا

سحر ہوتے ہی اٹھ کر وہ جو گھر سے باہر آ نکلا
ادھر ہی اتفاقاً پھرتے پھرتے میں بھی جا نکلا

مرے دل کو جو تو ہر دم بھلا اتنا ٹٹولے ہے
تصور کے سوا تیرے بتا تو اس میں کیا نکلا

میں اپنا حال کہہ سارا جو پوچھا وعدہ آنے کا
کہا سن سن کے سب باتوں کو آخر مدعا نکلا

مری تعریف کی تھی اس سے بعضوں نے سو وہ سن کر
لگا کہنے جو سنتے تھے وہ اپنا آشنا نکلا

ملے ہو درد اس کے ساتھ تو دیکھا غریبی سے
گھمنڈ اس کے جو تھا جی میں سو اب شاید گیا نکلا

ترے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا

کہا جب میں ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے
لگا تب کہنے پر قندِ مکرر ہو نہیں سکتا

دلِ آوارہ اٹکے یاں کسو کی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

مری بے صبریوں کی بات سن سب سے وہ کہتا ہے
تحمل مجھ سے بھی تو حال سن کر ہو نہیں سکتا

کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی
کہ جم جانے سے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

نہیں چلتا ہے کچھ اپنا تو تیرے عشق کے آگے
ہمارے دل پہ کوئی اور تو ڈر ہو نہیں سکتا

ق

کہا میں یوں تو مل جاتے ہو آ کر بعد مدت کے
اگرچہ ہو تو یہ کیا تم سے اکثر ہو نہیں سکتا

لگا کہنے سمجھ اس بات کو ٹک تو کہ جلد اتنا
ترے گھر آنے جانے میں مرا گھر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح میں اے درد اس کی تیغ ابرو سے
کہ جس کے سامنے آ کوئی جاں بر ہو نہیں سکتا

جب تک ہے دل کے شیشے میں رنگ امتیاز کا
ہے اے پری تجھی تئیں آئینہ ناز کا

جس کے جناب سے یہ سبھی ناز ہیں نیاز
دامن ہے ہاتھ میں مرے اُس بے نیاز کا

ہے کوتہی اجل کی طرف سے ق ورنہ میں
اک عمر سے اسیر ہوں زلفِ دراز کا

ای درد اس جہان میں آکر صدائے غیب
بے پردہ ہووے جس سے وہ پردہ ہے ساز کا

گل و گلزار خوش نہیں آتا
باغ بے یار خوش نہیں آتا

ای جنوں جیب میں ترے ہاتھوں
ایک بھی تار خوش نہیں آتا

کیا جفا کے سوا تجھے کچھ اور
ای ستمگار خوش نہیں آتا

درد ہم کو یہ رات دن تیرا
نالۂ زار خوش نہیں آتا

بھرا مے سے نہیں یہ نور سے معمور ہے شیشا
تجلی پر نظر کر اس کی کوہ طور ہے شیشا

شتابی میکدہ میں آ کہیں تجھ بن کہ ای ساقی
پڑا ہے جام نے کیفیت و مخمور ہے شیشا

بغل میں اپنی بیٹھا ہے لیے یہ دختر رز کو
نہ پوچھو اس کو مینا دانۂ انگور ہے شیشا

بچایا محتسب کے ہاتھ سے ای درد میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہے شیشا

ای شانہ تو نہ ہو، جو دشمن ہمارے جی کا
کہیں دیکھیو نہ ہووے زلفوں کا بال بیکا

پھیلا ہے کفر یاں تک کافر ترے سبب سے
شمع حرم بھی دے ہے ماتھے پہ اپنے ٹیکا

گذرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہو کر
ای کوتہی نالہ یہ وقت تھا گئی کا؟

جوں شمع تو نے جیدھر نظر اٹھا کے دیکھا
پروانہ وار جی ہی جاتا رہا کسی کا

تو بھی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جی کے کیا کرے گا

اپنی آنکھوں اسے میں دیکھوں
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

اگر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم — دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

اہلِ زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا — پر اب جو کچھ ہی یہ تو کسو نے سنا نہ تھا
چٹکا عبث نہیں کوئی غنچہ چمن میں آہ! — ای تو سن بہار تجھے تازیانہ تھا
باور نہیں ابھی سے تجھے غافل پہ عنقریب — معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

حال یہ کچھ تو ہی اب دل کی توانائی کا — کہ یہ طاقت نہیں یوں نام شکیبائی کا
ای شبِ ہجر نہیں ہی یہ سیاہی تیری — خون گردن پہ ترے ہی کسی سودائی کا
نام سنتا نہیں زاہد تری حرمت کا کوئی — شور ایسا ہی جہاں میں مری رسوائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانا — مثالِ زندگی بھر لے اب اپنا آپ ہی پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حالِ ابتر کو — دل اُس کے ہاتھ وے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا
نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجودِ خلایق ہی — کوئی کعبہ سمجھا ہی کوئی سمجھے ہی بُت خانا

ای شمع رو ز بسکہ ترا انتظار تھا — میں ایک سا ہی شعلہ صفت بے قرار تھا
ظالم یہ صید دل سرِ فتراک سے ترے — اس وقت سے بندھا ہی کہ تو نی سوار تھا
نامے کے بو خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق — تیری طرف سے حُسن کے دل میں غبار تھا

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا — یعنی کبھو تو اپنے بھی دل کا دماغ تھا
جلتا ہی اب پڑا خس و خاشاک میں ملا — وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا
گر روں ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں وے اس کے لوگ — ہی کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

رباعیات

کشش نے تری اثر نہ کیا
تشنگی اور بھی بھڑکنی گئی
تجھ کو ای انتظار دیکھ لیا
جوں جوں ہیں اپنے آنسوؤں کو پیا

زلفوں میں کسو کی جو گرفتار نہ ہوتا
مرنا ہی لکھا ہی مری قسمت میں عزیزاں
کچھ کام مجھے تجھ سے نسبت تا نہ ہوتا
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایک تو ہوں شکستہ دل تس پہ یہ جور یہ جفا
جان کے بدلے تیرے ساتھ وعدہ اک نگاہ تھا
سختی عشق واہ وا! جی نہ ہوا ستم ہوا
سو بھی نہ تجھ سے ہو سکا مفت ہی مفت جی لیا

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جوں غنچہ پھر اک دلِ صد چاک نہ پایا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
منہ ڈال کے جب اپنے گریبان میں دیکھا

ناصح میں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا
زاہد کیا کرے ہی وضو گو کہ روز و شب
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
چاہے کہ دل سے دھوئے کدورت سو دھو چکا

مذکور جانے بھی دو ہم دل تپیدگاں کا
موج نسیم کو ہی زنجیر بوئے گل کی
احوال کچھ نہ پوچھو آفت رسیدگاں کا
دامن نہ چھو سکے پر از خود رمیدگاں کا

افراد

دیکھ کر حال پریشاں عاشقِ ناشاد کا
یاں کے معشوقوں سے رسمِ زلف اب ہی ہو اٹھا

محبت نے ہم کو ثمر جو دیا
سو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا

شکوہ شقی کس سے ہو گلہ کس سے یہ ٹھانا
مانند فلک اپنی ہی گردش ہے زمانہ

ہم نے چاہا بھی پر اس کوچہ سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

فلک پہ کون کہتا ہے گذر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے اس پر جا کسی کے لب پہ گھر کرنا

غل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا
حشر کو بھی شور ایسا ہو نہ تھا برپا کیا

ہو پیار خلق کرتی ہے اپنے کمال کا
یہ آئینہ ہے جلوہ فروشی اس جمال کا

خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا
تو خطوں سے نے اب نکالا پیش خانہ حسن کا

مخالف گنگ گئے سنتے ہی مجلس میں سخن میرا
زباں کا اب ہوا معلوم جوہر تیغ ہے گویا

بار سے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا
سنے مجھے شکوہ ہے اے ظالم اپنی سخت جانی کا

رسوائیاں اٹھائیں جور و عتاب دیکھا
عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

آشیانے میں دہراد بلبل کے
آتش گل سے آج پھول پڑا

ردیف (ب)

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب
مضطرب ہوں جس طرح موج سراب

نے بضاعت ہیں سب اہل رزق بھی
چشمۂ خورشید میں کیدھر ہے آب

موت ہے آسایش افتادگاں
چشم نقش پا کو ہٹ جاتا ہے خواب

کیوں نہ ہو شرمندہ روئے زمیں
سیل اشک ایسا نہیں خانہ خراب

آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کو اٹر
دیکھ تو ہی کون بارسے تیر سے کا شانے کے بیچ

سیر باغِ بوستاں تو ہی میسّر ہر گھڑی
آئیے گا ہے فقیروں کے بھی کاشانے کے بیچ

جو مرے ہیں مرگ ہیں سو ہم سے پوچھا چاہیے
کون جانے آہ کیا لذّت ہی مر جانے کے بیچ

عقدۂ دل کھول مثلِ قطرہ ناداں کب تلک
جوں گہر غلطاں رہے گا آب رونے کے بیچ

پیچ و تاب اتنا جو ہی یاں اس دلِ صد چاک کو
زلف الجھی ہی کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

بخت خواب آلود نے میرے سلایا اس کو درد
ورنہ پھونکا تھا ہی افسوں میں نے افسانے کے بیچ

مذکور جب چلے ہی مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہی من کے بیچ

اے بے خبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ
جوں شعلہ یاں سفر ہی ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہی دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہی آن کے ہر پیرہن کے بیچ

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہی ولے
جوں غنچہ سو زباں ہیں اس کے دہن کے بیچ

درد جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہو گا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

ردیف (ر)

کیونکر میں خاک ڈالوں سوزِ دلِ تپاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہی زباں پر

میں کس طرح بتوں کے لا سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہی آسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہی اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہی کیا زور باغباں پر

چاہیے کہ بات جی کی منہ پہ نہ میرے آئے
اپنے دہن کو لا کر رکھ دے مرے دہاں پر

میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب
تارِ نگہ پہ دل یاں دونوں طرف سے دوڑے

یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پہ
دو نٹ مقابل آویں جس طرح ریسماں پہ

اے درد یار جیسا ہووے سو ہی غنیمت
اتنا بھی جی نہ رکھیے ہر وقت امتحاں پر

ساقی ہی چڑھا آج تو یہ رنگ گھٹا پر
ہر اور ہی جلوے کی غرض بوقلمونی
گھبرا کے دل تنگ جو کوئی سانس نکالے
جوں کاغذ بادِ اہلِ ہوس پیچ میں ہیں گے
مانندِ جہاں آہ تنک ظرف جہاں سے

شیشہ ہو گرے پھینکیے گر سنگ ہوا پر
یہ قوسِ قزح کا نہیں نیرنگ ہوا پر
اک دم میں ہو عرصہ تو ابھی تنگ ہوا پر
رہتی ہے سدا ان کے تئیں جنگ ہوا پر
یاں کرتے ہیں سر کھینچنے کے ڈھنگ ہوا پر

ہر دم دلِ بیتاب مرا درد کرے ہے
جوں نغمہ نکل آئے گا آہنگ ہوا پر

اس قدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اس قدر
جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک ہوں
کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی

مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

درد تو کرتا ہے معنی کے تئیں صورت پذیر
دست رس رکھتے تھے کب بہزاد مانی اس قدر

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر
آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں

بکتا ہوں مثلِ آئنہ اور ہی جمال کر
ٹک تو ہی اے جبین عرقِ انفعال کر

حیرت ہی یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکر دیا دیکھ بھال کر

ای درد گر تک آئینۂ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

فرد

ہنس قبر پہ میری گل کھلا کر
یہ پھول چڑھا کبھی تو آ کر

ردیف (ز)

کیا ہوا مر گئے آرام ہی دشوار ہنوز
جی میں تڑپے ہی تڑپ ہی حسرت دیدار ہنوز

ہر لب زخم نمک سود ہی گو مثل سحر
شکوہ آلود نہیں پر لب اظہار ہنوز

کر چکا اپنی سی عیسیٰ بھی تو پر کیا حاصل
ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز

موڑ یو منہ نہ ابھی سوزن مژگاں ہم سے
ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز

ہی خیال اس کی ہی زلفوں کا دم آخر بھی
بندہ رہا ہی مری نظروں میں وہی تار ہنوز

اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی ای کنج قفس
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کسکا لیکن
دل میں چبھتی ہی مری درد وہ رفتار ہنوز

لیتا نہیں کبھو کوئی اپنے عناں ہنوز
پھرتا ہی کس تلاش میں یہ آسماں ہنوز

ہی بعد مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز
لگتی نہیں ہی تالو سے میری زباں ہنوز

موجود پوچھتا نہیں کوئی کسو کے تئیں | توحید تو بھی ہوئی نہیں ہے عیاں ہنوز

سو سو طرح کی ہجر میں تنگی ہے جاں کنی | مرتا نہیں ہوں تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز

ہر چند کہنہ سال ہے دنیا تو کس قدر | آتی ہے پر نظر میں سبھوں کی جواں ہنوز

سینے میں درد آپ کو لایا ہوں کھینچکر
دل سے گیا نہیں ہے خیالِ بتاں ہنوز

رباعی

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز | اس کے تیشے کی بھی زباں ہے تیز

ساقی اب سب پکارنے ہیں لگے | تیرے ہاتھوں سے یاں بریز بریز

بر میں مرے وہ سیمبر آیا نہیں ہنوز | مقصود میرے دل کا بر آیا نہیں ہنوز

ردیف (س)

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس | حال میرے پہ صد ہزار افسوس

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گزرا | نہ کر اے درد بار بار افسوس

(ردیف ط)

کرتا رہا میں دیدۂ گریاں کی احتیاط | پر ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی احتیاط

خارِ مژہ پڑے ہیں مری خاک میں ملے | اے دشت اپنے جیب و داماں کی احتیاط

جوشِ جنوں کے ہاتھ سے فصلِ بہار میں | گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

تیرے ہی دیکھنے کے لیے آئینہ کی طرح
دل کے تئیں گرہ سے کبھو کھولتی نہیں

کرتا ہوں اپنے دیدۂ حیراں کی احتیاط
ہر زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے دردؔ پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

ردیف (غ)

لایا نہ تھا جو آج تئیں ہاتھ سوے تیغ
ناچار مجھ سے اس سے تو قطع کلام ہے
کیجے نہ قتل اہلِ وفا جتنے ہیں یہ سب
جانباز اور بھی ہیں پر اے ابروانِ یار
پیاسی مرے لہو کی وہ رہتی ہے دم بدم
کوئی مزاجداں نہ ہوا آج تک مگر

وابستہ میرے قتل سے تھی آبروے تیغ
کرتا نہیں وہ بات سوا گفتگوے تیغ
بارے کہیں ٹھکانے لگے جستجوے تیغ
مری طرح نہ ٹھہرے کوئی آبروے تیغ
بر لائیے کبھو تو میاں آرزوے تیغ
اک اُس کی خو سے تند سے ملتی ہے تو تیغ

اے دردؔ مثلِ زخم زمانے کے ہاتھ سے
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیر روے تیغ

ردیف (ف)

اے دردؔ ایک خلق ہے جانانہ کی طرف
لازم ہے کیجیے دلِ دیوانہ کی طرف

ردیف (ک)

پیغامِ یاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک — ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک
دے وہ شراب ساقی کہ تا روزِ رستخیز — جس کے نشے کا کام نہ پہونچے خمار تک
صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو — پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک
نے قدر میکشی ہوئی عالم میں یاں تئیں — ہے صرفِ شیشہ شیخ کے سنگِ مزار تک

راہِ عدم میں درد میں اتنا ہوں جلد رَو
پہونچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

رباعیات

پھرتا رہا میں سعی میں اک عمر جوں فلک — بختِ سیاہ پر پھرے میرے اب تلک
چونکا ہوں درو جب سے اسے دیکھ خواب میں — لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

نہیں میرے تئیں کسی کا باک — اب گریباں ہے ہاتھ اور چاک
گر تو ہو گئے ترے عاشق — کیا ستم ہو زیادہ اس سے خاک

ردیف (ل)

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل — ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل
ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدہ کے بیچ — ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل
گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل

یارب درست گو نہ رہوں میرے عہد پر
بندہ سے پر نہ ہو کوئی بندا شکستہ دل

کی جس کی جوں حباب زمانے نے دل دہی
چھوڑا نہ پھر اُسے نہ کیا تا شکستہ دل

لازم ہے گو شکستہ شکن زلف میں تری
ظالم کوئی پڑا رہے مجھسا شکستہ دل

سب خونِ دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

بارے یہ داغِ عشق ہوا شہریارِ دل
مدت سے نے چراغ پڑا تھا دیارِ دل

تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں
کرتا ہوں اب ملک میں پڑا انتظارِ دل

اُٹھتا ہے بعد مرگ بھی مانند گردباد
اے درد خاک سے مری اب تک غبارِ دل

ردیف (م)

حیران آئینہ وار ہیں ہم
کس سے یارب دوچار ہیں ہم

پانی پہ نقش کب ہے ایسا
جیسے ناپائدار ہیں ہم

ساقی کیدھر ہے کشتیِ مے
اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم

جی بھی منبا کبھو نہ اپنا
اتنے زار و نزار ہیں ہم

اوروں کے گو ہیں سرمۂ چشم
اپنے دل کے غبار ہیں ہم

کوئی کیونکر نظر میں لاوے
رشکِ چشمِ شرار ہیں ہم

آتش میں ہیں پہ مثلِ شعلہ
از سر تا پا بہار ہیں ہم

چشمِ عبرت سے دیکھ ایدھر
نقشِ لوحِ مزار ہیں ہم

جیدھر گزرے پھرے اودھر سے
آوارۂ کوہسار ہیں ہم

از بس کہ ہیں محوِ لاتعین
ہر جانے اعتبار ہیں ہم

مجنوں ہو خواہ کوہکن ہو
عاشق کے دوستدار ہیں ہم

اپنے ملنے سے منع مت کر
اس میں سب بے اختیار ہیں ہم

یوں تو عاشق بہت ہیں لیکن
اس طور کے کتنے یار ہیں ہم

مجنوں فرہاد درد وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

اسکی ترے در سے گر گئے ہم
پھر یہ ہی سمجھ کہ مر گئے ہم

جوں نورِ نظر ترا تصور
تھا پیشِ نظر جدھر گئے ہم

جز اہلِ صفا بتا تو جوں عکس
ای آئینہ کس کے گھر گئے ہم

کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے
معلوم نہیں کدھر گئے ہم

تھا عالمِ جبر کیا بتائیں
کس طور سے زیست کر گئے ہم

جس طرح ہوا اسی طرح سے
پایا نہ عمر بسر گئے ہم

افسوس کہ درد اس کو جب تک
ہووے ہی خبر گزر گئے ہم

کچھ لا سے ہے کہ کھو گئے ہم
سنتے آپ ہی ایک سا ہو گئے ہم

جوں آئینہ حسن پہ ہاں نظر کی
ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر
اپنے تئیں آپ رو گئے ہم

ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا | پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے درد ہے یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم | بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم

عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی | تعجب کی ہے جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم

ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا | ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی | ہوئی آتش سے گل کے بیٹھتے رشک شرر شبنم

بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے | کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم

نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو | گئی اڑ دیکھنے اپنے بغیر از بال و پر شبنم

نہ پایا جو گیا اس باغ میں اصلا سراغ اس کا | نہ پلٹی پھر صبا ایدھر نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

رباعی

کیا کہیں سوئے فنا کس طور کر جاتے ہیں ہم | شمع کے مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم

ہے کسے جوں شعلہ ظالم آہ تاب انتظار | جب تلک دیکھے ادھر تو یاں گزر جاتے ہیں ہم

خلق میں ہیں پر جدا سب خلق سے رہتے ہیں ہم | تال کی گنتی سے باہر جس طرح روپک میں سم

ردیف (ن)

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں | یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بسانِ کاغذِ آتش زدہ مرے گل رو
تیرے سبب جلے بجھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

کسی نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی
کہ مثلِ بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی ہمیں نصیب ہے
جو کچھ کہ اپنے ہی جی میں سو مار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ!
سب اہلِ قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمرِ داغدار رکھتے ہیں

اگرچہ دخترِ رز کے ہے محتسب درپے
جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں

برنگِ شعلہ غمِ عشق ہم سے روشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پہ
مگر یہ زندگیِ مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہم سے اور گلوگیری
یہ ایک جیب ہے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہے آگے جنوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنھوں کے دل میں جگہ کی ہے نقشِ عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوحِ مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخیِ بتاں پنہاں
خنک ہیں سب پہ دل میں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ دردؔ اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

۳

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

چاہے ہے یہ مری تپشِ دل کہ بعدِ مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہیں آرمیدہ ہوں

ای درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

آہ مشتاق ترے مفت موے جاتے ہیں
گو سلامت ہوں بظاہر پہ دل کے خطرات
تو بھی ای آہ طلب ٹک تو بھلا تو سے چونک
ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہلِ اشغال

اک نظر بھولے سے بھی ہو تو جی پاتے ہیں
رات دن گھن کی طرح بیٹھے ہیں کھاتے ہیں
اپنی ہی نوع سے ہیں وے جو پہنچ جاتے ہیں
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

درد کی طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
بے خبرے از خود شدگاں جبکہ بخود آتے ہیں

گر دیکھیے تو مظہرِ آثارِ بقا ہوں
کرتا ہوں پیا رنگ بھی حل مشکلِ عالم
ممنون مرے فیض کے سب اہلِ نظر ہیں
ہے آسرِ فقر اگر سمجھو تو شاہی
ہے مظہرِ انوارِ صفا میری کدورت
احوالِ دو عالم ہے مرے دل پہ ہویدا
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز

ورنہ سمجھیے جوں عکس نہ مجھے محوِ فنا ہوں
نے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں
جوں نور ہر اک چشم کو دیدار نما ہوں
سلطان ہے اگر شاہ تو میں ظلِ ہما ہوں
ہرچند کہ آہن ہوں پر آئینہ بنا ہوں
سمجھا نہیں تا حال پر اپنے تئیں کیا ہوں
ہرچند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

ہوں قافلہ سالارِ طریقِ قدما درد
جوں نقشِ قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انھیں طرحوں میں ہم ہر دم فنا فی اللہ ہوتے ہیں

تقیدگاہ امکاں میں وہ کچھ بخشش مطلق
کہ ہر واحد کو لاکھوں دام یاں تنخواہ ہوتے ہیں

غرور حسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سے
کہ یہ سب مورچے پے بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں

اگر جمعیت دل ہی تجھے منظور قانع ہو
کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

پریکھا درد کچھ مت رکھ ترقی اور تنزل کا
کہ اپنے دھن میں تو یاں گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں

سن لے زار ہی مجھ سے تو یہ مجھ کو
اب تک ہی وہی پیار جی میں

گل اب تو ملے ہی ہنس کے لیکن
بلبل یہ چبھیں گے خار جی میں

بولا پاس تھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجو یار جی میں

کیا فائدہ درد شور و شر سے
اُپجے ہی جو کچھ سو مار جی میں

ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں
لیکن پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

کچھ مرتبہ ہی اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسو چیز کی طلب
ڈھونڈھا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتان خلق
اغیار سے سوا کوئی دلخواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہی وہی ہادی وہی مضل
تو راہ پر ہیں سب کوئی بے راہ ہی نہیں

اے درد مثل آئینہ ڈھونڈھو اس کو آپ میں
بیرون در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

ہستی ہی جب تک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آپ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

نی خانۂ خدا ہی نہ ہی یہ بتوں کا گھر
رہتا ہی کون اس دلِ خانہ خراب میں

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہی جلوہ گر
ہی موج زن تمام یہ دریا سراب میں

غافل جہاں کی دید کو مفتِ نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہی اس عالم کو خواب میں

ہر جز کو کل کے ساتھ بمعنی ہی اتصال
دریا سے دُر جدا ہی پہ ہی غرقِ آب میں

پیری سے لے کے تن کو اُجاڑا دگر نہ یاں
تھا بند و بست اور ہی عہدِ شباب میں

میں اور درد مجھ سے خریداری بتاں
ہی ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آکے ہو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر جنگ آئنہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نہ گل کو ہی ثبات نہ ہم کو ہی اعتبار
کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
ای درد آکے بیعتِ دستِ سبو کریں

یہ زلفِ بتاں کا گرفتار ہیں ہوں
یہ بیمار چشموں کا بیمار ہیں ہوں

کدھر بہکی پھرتی ہی ای بیکسی تو
تری جنس کا یاں خریدار ہیں ہوں

ادھر بات کہنا اودھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب ایک عیار ہیں ہوں

اگر مجھ سے ملے کبھو عیب کیا ہی
کسو پر بلا تیری تیوری چڑھا شے

نہ بد وضع تو ہی نہ بدکار ہیں ہوں
تری تیغ ابرو کا افگار ہیں ہوں

سبھی اپنے جینے سے ای درد خوش ہیں
اگر ہوں تو یہ ایک بیزار ہیں ہوں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پانا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجاے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تئیں ای خضر مر کہیں

پھرتی رہی تڑپتی ہی عالم میں جا بجا
دیکھا نہ میری آہ نے روے اثر کہیں

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کیے
جی میں ہی خوب روبیے اب بیٹھکر کہیں

یوں تو نظر پڑے ہیں حسن افگار سیکڑوں
دل ریش کوئی آپ سا دیکھا نہ پر کہیں

ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو ولے
پچھتاوے پھر تو آپ ہی ایسا نہ کر کہیں

پھرتے ہو سج بناے تو اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسو کی نظر کہیں

ق

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
ای خانماں خراب ہی تیرا بھی گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو پر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نے سُنا نہیں ہی یہ مصرع مگر کہیں

اُس کو سکھلائی یہ جفا تونیں
کیا کیا ای مری وفا تونیں

نے کسی کو عبث کیا نے کس
قتل کر مجکو کیا لیا تونیں

حال سُن سن مرا لگا کہنے
میں سُنا کچھ نہ۔ کیا کہا تونیں

ہم نہ کہتے تھے ہو جو مت عاشق
پائی دل اپنی کچھ سزا تونیں

جی تو جی سے ترے رہا ہی ل
مُنہ لیا موڑ کیا ہوا۔ تونیں

درد کوئی بلا ہی شوخ مزاج
اُس کو چھیڑا برا کیا تو نیں

نالے واں ہی یہ وہ زبانِ سخن
یاوری دیکھیے نصیبوں کی
ساقی اس وقت کو غنیمت جان
وہ ز خود رفتہ ہوں کہ میرے تئیں
کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی
بعد مدت کے درد کل مجھ سے
پھری اُس کی جو لڑ گئیں آنکھیں

اس چمن میں کسے مجالِ سخن
دوست بھی ہو گئے مرے دشمن
پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن
نہ خیالِ سفر نہ یادِ وطن
حالِ دل تجھ پہ ہووے گا روشن
مل گیا راہ میں وہ غنچہ دہن
ہو گئے آنکھوں ہی میں دو دو بچن

ق

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں ور پار ہیں تو ہم ہیں
وابستہ ہی ہمیں سے گر جبر ہی و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں
تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہی
تس پر بھی تشنہ کامِ دیدار ہیں تو ہم ہیں
الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے
معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

اوروں سے تو گرانی اک لخت اُٹھ گئی ہی
اے درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

جمع ہیں افراد عالم ایک ہیں
ہووے کیوں حدت میں کثرت سے خلل
گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں
جسم و جاں گو دو ہیں باہم ایک ہیں

نوعِ انساں کی بزرگی سے تک آگاہ
دال ہے اس پہ ہی قرآں کا نزول

حضرتِ جبریل محرم ایک ہیں
بات کی فہمید میں ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود
درد آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

ہم کچھ آپ طلب نی تلاش کرتے ہیں
مثالِ عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہیں
ہمارے بھی اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
مزاج نازک اگر دل سے کچھ مکدر ہو

جو کچھ کہ یاں ہے مقدر معاش کرتے ہیں
جہاں صفا ہے وہیں بود و باش کرتے ہیں
جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں
یہ آئینہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر ہیں اے درد یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
دیدہ و دیدہ جو ہو جائے غنیمت سمجھو
آنکھیں اس بزم میں سیکھی ہیں جنھوں نے ٹک بھی
سنے ہنر دشمنیِ اہلِ ہنر سے آ کر
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نورِ نظر
اے رگِ ابر یہ مژگاں بھی اگر ٹک برسیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
تا قیامت نہیں ٹلنے کا دلِ عالم سے

جان سے اپنے جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
شمع کی طرح گریباں لیے تر جاتے ہیں
منہ پہ چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں
رہنما تو ہی تو ہونا ہے جدھر جاتے ہیں
ایک پل میں کئی نالے بھر جاتے ہیں
لوگ جاتے ہیں چلے سوچ کہ کدھر جاتے ہیں
درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں میں
نفسِ عیسوی چراغ ہوں میں

ہوں فتادہ برنگِ نقشِ قدم
رفتگاں کا مگر سراغ ہوں میں

دونو عالم سے کچھ پرے ہی نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

میں ہوں گلچینِ گلستانِ خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

عینِ کثرت میں دید وحدت ہی
قید میں درد با فراغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

نالاں نہیں ہی تنہا اس راہ میں جرس تو
روتے گئے ہیں کتنے یک لخت دل کے ہاتھوں

ہمت رفیق ہووے تو فقر سلطنت ہی
آتا ہی ہاتھ یعنی یاں تخت دل کے ہاتھوں

ای غنچہ تجھ سے آگے جو کچھ کہ تھا گرہ میں
گل یاں لٹا گئے ہیں کل رختِ دل کے ہاتھوں

ای درد آہ پھر پھر آتا یہی ہی جی میں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

جی نہ اٹھوں کہیں پھر میں جو تو مارے دامن
جھاڑ مت خاک پہ میرے یہ غبارِ دامن

دامنِ دشت ہی پر لالہ و گل سے یارب
خونِ عاشق بھی کہیں ہووے بہارِ دامن

ہم کہ دامن سے لگے ہیں نہ کہیں چھٹ جاویں
ہر گھڑی کھینچ نہ بے رحم کنارِ دامن

تار باندھا ہی مرے اشکوں نے یاں تک جوں شمع
ہی وہی تارِ گریباں وہی تارِ دامن

جب وہ چاہے ہی کہ دامن کو اٹھا کر چلیے
ہنس کے رکھتا مری گردن پہ ہی بارِ دامن

فرشِ رہ آنکھیں تو کیں میں نے پہ میرے مژگاں
خارِ پا ہوویں کسو کے نہ یہ خارِ دامن

درد تو کون ہی جو گرد پھٹکنے پاوے
دور دامن ہی ترا صدقے نثارِ دامن

کیوں نہ ڈوبے رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں
ہے بنا مثلِ حباب اپنا تو گھر پانی میں

اشک سے میرے فقط دامنِ صحرا نہیں تر
کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بہ کمر پانی میں

مردمِ دیدہ مرے اشک میں یوں رہتے ہیں
کب یہ گزراں کرے اور بشر پانی میں

آتشِ مے سے جو ساقی نے اسے بھڑکایا
زاہدِ خشک ہوا خوب ہی تر پانی میں

چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید کم
شعلہ رو تو کبھو منہ دیکھے اگر پانی میں

جس طرف چاہو چلوں یہ وہ سرابستان ہے
وہم کہتا ہے کہ اب پانوں نہ دھر پانی میں

عالمِ آب میں جوں آبنہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا درد نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں
روتے کی طرف کس لیے یہ ٹوٹ بہی ہیں

کشتی کی طرح آنکھیں مری اشک میں یا رو
جس تار نگہ سے بندھی تھیں چھوٹ بہی ہیں

ہیں مثلِ حباب آنکھیں تو در روکے بہاؤں
پر وہ یہی کہتا ہے سدا جھوٹ بہی ہیں

سرسبز ہے کس جلوہ سے ہوئیں آنکھیں جو ہتنا
دریا کی طرح کھیت مرا لوٹ بہی ہیں

اے درد سمجھ سوچ نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے - پہ وہ باتیں کہاں

ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دم بدم
جھپکنے جاتے تھے آپ آگئے وہ خیراتیں کہاں

بعد مرنے کے مرے ہوگی مرے شانے کی قدر
تب کہا کیجے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں

یوں تو ہے دن رات میرے دل میں اس کا ہی خیال
جن دنوں اپنی بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں

جس طرح سے کھیلتا ہے وہ دلوں کا بائی شکار
درد آتی ہے کسی دلبر کو وہ گھاتیں کہاں

تجھے در سے تو اپنے ٹالے ہے یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے گا ترے سوا تو اگر نہیں ہے یہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں نظر آگیا ہے خدا ہی واں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں مگر دل میں جائے بتاں نہیں

مرے دل کے شیشے کو بے وفا تو نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا یہ دکانِ شیشہ گراں نہیں

تجھے رات ساری ہی تیرے یاں کٹے کیوں کہ روتے نہ شمع ساں
کہ نہ ہو سکے ہے کچھ اب بیاں یہ وہ بات ہے کہ زباں نہیں

کوئی سمجھے کیونکہ یہ مدعا کہ پہیلی سا ہے یہ ماجرا
کہا میں تجھے نہیں چاہ کیا لگا کہنے مجھ سے کہاں نہیں

نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں تو بہت سناویں بھلا کہاں
نہ ہوا سمجھوں یہ وہی عیاں جو کسی سے یاں تو نہاں نہیں

تجھے درد کیونکہ سناؤں میں نہ خدا کسی کو دکھاوے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گزرتی ہے کہوں کیا کہ اس کا بیاں نہیں

دل کو بھاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہم کو سب انھوں کی خوبیاں

صورتوں میں حق نے ان کی تیغ گو جوہر بہت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

آپ تو بگڑی ہیں پر اس کا بھی کیا خانہ خراب
درد اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

سعی بیجا مت کرو مہر و وفا وہ شوخ تو
جی کو ان باتوں سے ہرگز آشنا کرتا نہیں

کونسی شب ہے کہ مثلِ شمع جب کھلتی ہے آنکھ
جا سے اشک آنکھوں سے اپنی خوں گرا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
بتا دو کون ہی جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا
نہیں معلوم کیا ہوگا یہ دل اُن لٹوں میں اُلجھا

جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں کہ نظروں میں کھٹکتے ہیں
جہاں ای درد ایسے تو ہزاروں ہی لٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانعِ دیدار نہیں
ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا

اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
چشم بیدار تو ہی پر دلِ بیدار نہیں

درد یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم ہی یہ خانۂ خمّار نہیں

ای ہجر کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں
دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ

پر صبح ہوتی آج تو آتی نظر نہیں
ایسا تو دلبروں میں کوئی معتبر نہیں

کہہ کونسا ہی دامنِ صحرا جہان میں
ای درد آنسوؤں سے جو تیرے وہ تر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں ای عزیزاں
کھلا ہی بابِ عرفاں جس کے اوپر
صبا جاتا ہوں گریاں میں چمن سے

گریباں چاک ہی چاکِ گریباں
اُسے ہی ہر ورق گل کا گلستاں
گلوں کو باغ میں رکھیو تو خنداں

گرچہ ہم مردہ دل ای جانِ جہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہی سو وہ زیست کہاں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر

تجھ بن ای وائے جو سمجھیں تو کہاں جیتے ہیں
یوں تو کہنے کے لیے کہیے کہ ہاں جیتے ہیں
جس توقع پہ کہ ہم اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں — کہیئے سودائی۔ تو سودا بھی نہیں
اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم — مدتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں
داد کو تو پہونچنا معلوم ہے — کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں

یوں تو سب باتیں نصیحت کی کہیں — پر اثر ہوتا ہے دل کے تئیں کہیں
جس کے بن دیکھے نہ نیند آتی ہمیں — خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں
صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں — ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

رُباعیات

آگے ہی بن سُنے تو کہتے ہو نہیں نہیں — تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں
ہیں معنیٔ بلند ہرے عرش سے پرے — مت کہہ کہ بات درد کی کرسی نشیں نہیں

ڈونگا ہیں جو چار ہوتی ہیں — برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں
بے وفائی پہ اُس کے دل مت جا — ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

اگر میں شکستہ رسی سے ترا دہاں پاؤں — کمر کو چاہوں تو اُس کے تئیں کہاں پاؤں
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ — کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

دل میں رہتے ہو پر آنکھوں سے دیکھنا مقدور نہیں — گھر سے دروازے تلک آؤ تو چنداں دور نہیں
چاہیے دونو جہاں جل جاویں اک شعلہ کے ساتھ — درد ایسی سرد آہیں عشق میں منظور نہیں

زلفوں میں تو سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں — آنکھوں نے پر ابھی ہی آنکھیں دکھائیاں ہیں

ہی اپنے جی میں جو کچھ تم جا تو یا نہ جانو
پر سب تمہاری باتیں اب ہم نے پائیاں ہیں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

دیکھ میرے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب
کوئی دم کو یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

کب دہن میں ترے سمائے سخن
نہیں تیرے دہن میں جائے سخن

شعر میں میرے دیکھنا مجکو
ہی مرا آئینہ صفائے سخن

کہیں ہوئے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
ہنسے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

کرے ہی مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لیے پھرے ہی یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہر دم بتوں کی صورت رکھا ہی دل نظر میں
ہوتی ہی بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

ایسا ہی غم نے تیرے پامال کر دیا ہی
کچھ دل رہا نہ دل میں نہ کچھ جگر جگر میں

اس ذکر سے بھی مجھ کو کیا کام دل کے ہاتھوں
لیتا نہیں کسو کا میں نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہم کو تمنا یہ ملک ہو تا فلک پہو نچیں
یہی ہی آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

افسوس اہلِ دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناہی ہوں
مورد رحمت الٰہی ہوں

ردیف (و)

مانع نہیں ہم وہ بسا خود کام کہیں ہو
پر اس دل بیتاب کو آرام کہاں ہو

خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یا رب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو
میخانۂ عالم ہی وہ سلسلۂ ربط کہ جس میں
ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو
وعدے تو مرے ساتھ کیے تونے ہزاروں
پر ایک بھی اتنوں میں سرانجام کہیں ہو

ہر چند نہیں صبر تجھے درد و لیکن
اتنا بھی نہ ہو کہ وہ بدنام کہیں ہو

۱۳

کیا فرق داغ و گل میں۔ اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہی کہ جس دل میں تو نہ ہو
ہووے نہ حول و قوت اگر تیرے درمیاں
جو ہم سے ہو سکے ہی سو ہم سے کبھو نہ ہو
جو کچھ کہ ہم نے کی ہی تمنا ملی مگر
یہ آرزو رہی ہی کہ کچھ آرزو نہ ہو
جوں شمع جمع ہوویں گر اہل زباں ہزار
آپس میں چاہیے کہ کبھی گفتگو نہ ہو
جوں صبح چاک سینہ مرا ای رفوگراں
یاں تو کسو کے ہاتھ سے ہرگز رفو نہ ہو

ای درد زنگ صورت اگر ان میں جا کرے
اہل صفا میں آئنۂ دل کو رو نہ ہو

سمجھنا فہم گر کچھ ہی طبیعی سے الٰہی کو
شہادت غیب کے چاہو تو حاضر ہی گواہی کو
نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمت امکان زائل ہو
چھڑا دے ہی کوئی کب رنگ زنگی سے سیاہی کو
عجب عالم ہی ادھر سے ہستی آتی ہی کہ
ادھر سے نیستی آتی ہی دوڑی عذر خواہی کو
نہ رہ جاوے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا کر تو اپنے گناہی کو

نہ لازم نیستی اس کو نہ ہستی ہی ضروری ہی
بیاں کیا کیجیے ای درد ممکن کی تباہی کو

۱۰۱

مجلس میں یا رہوے نہ شمع و چراغ کو — لاویں اگر ہم اپنے دلِ داغ داغ کو

جاتی تو ہے تو زلف کے کوچہ کو اے صبا — پر دیکھیو جو چھیڑے کسی بے دماغ کو

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن — کبھو صرف لیجیے پھر و نگا میں گلگشتِ باغ کو

بلبل کی طرح رشتۂ الفت میں دیکھ دل — بندھوا نہ دیجیو کہیں بالِ فراغ کو

کیا چھپ رہی ہے پردۂ مینا میں دخترِ رز — روشن کر اپنے جلوہ سے چشمِ ایاغ کو

تمیزِ بے تمیزی عالم کرے ہے کب — نالے سے عندلیب کے یاں بانگِ زاغ کو

اے درد رفتہ رفتہ کیا آپ کو ہی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہے تو — پاے بوس خم کروں یا دست بوسی سبو

صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو — چاک کا موجب ہے تو ہی۔ تو ہی اسبابِ رفو

ٹال دیتا اس کو نہ ہر طرح جوں قبلہ نما — پھر تجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی — خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

تیری خوں آشامیاں منہ ہوویں اے تیغِ ناز — ایک قطرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی لہو

جس طرح سے صبح کو ہوتا ہے بے رونق چراغ — دیکھ تجھ کو اڑ گیا گلشن میں گل کا رنگ سا ولو

اور ہوں آمادۂ پیغوارگی یہ مے پرست — سر اگر کاٹے انھوں کے محتسب مثل کدو

بات اہلِ دید سے کرتے ہیں یاں روشن ضمیر — نت زبانِ شمع کو ہے چشم ہی سے گفتگو

صورت تقلید میں کب معنی تحقیق ہیں — رنگ گو ہے پر گلِ تصویر میں کیدھر ہے بو

سیکڑوں ہی تخم سے اس پہ نہیں نکلے نہال — تخمِ دل کی بر نہ آئی درد لیکن آرزو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے کہو اس چشمِ حیراں کو — عیاں جب ہر جگہ دیکھوں کہیں سے راز پنہاں کو

تجھے ای شمع کیا دیکھیں زمانہ تو دکھاتا ہی / نہیں جوں کاغذِ آتش زدہ اور ہی چراغاں کو
نہ تنہا کچھ یہی اطفال دشمن ہیں دوانوں کے / بھرے ہی کوہ بھی دیکھا تو یاں پتھروں سے داماں کو
جھکتے ہیں سناروں کی طرح سوراخ سینے کے / چھپایا گو کہ جوں خورشید میں داغِ نمایاں کو
نہ واجب ہی کہا جاوے نہ صادق ممتنع اس پہ / کیا تشخیص کچھ ہم نے نہ ہرگز تشخص امکاں کو

نہ مطلب ہی گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو / الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضیٔ الٰہی ہو
نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہی / کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو
نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز / گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

رباعیات

ای درد یاں کسو سے نہ دل کو پھنسائیو / لگ چلیو سب سے یوں تو پر جی مت لگائیو
میں دل کے ساتھ کب تئیں کشتی لڑا کروں / اب اختیار ہاتھ سے جاتا ہی [illegible]

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو / یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو
دیکھیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے / دوستاں درد کو مجلس میں نہ تم یاد کرو

کہنا کٹے شتیاق تو رفتارِ یار کو / آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں انتظار کو
ویسا ہی اب تلک ہی وہ دامن تو ای صبا / کیدھر لیے پھرے ہی تو میرے غبار کو

سررشتۂ نگاہِ تغافل نہ توڑیو / ای ناز اس طرف سے منھ اس کا نہ موڑیو
جاوے درِ قفس سے ہلنے بال و پر کہاں / صیاد ذبح کیجو پر اس کو نہ چھوڑیو

دے ہے جو کچھ کہ شیشے میں باقی شراب ہو
ساقی ہی تنگ عرصۂ فرصت شتاب ہو

کہتا ہی آئینہ کہ نہیں ہی عجب اگر
دوران کے ہاتھ سے دل آہن بھی آب ہو

کبھو ہم نے نہ پایا مہرباں ای تند خو تجھکو
نہ دیکھا آنکھ بھر کے ایک دم خورشید رو تجھکو

تمنائیں مبدل حسرتوں سے ہوگئیں دل میں
رہی تو بھی نہ ملنے کی ہمارے آرزو تجھکو

دل نالاں کو یاد کرکے صبا
اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو

نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ
اس طرح بیٹھتا ہی غافل ہو

میں نہیں کہتا کہیں تم اور مت جایا کرو
بندہ پرور اس طرف کو بھی کبھو آیا کرو

ردیف (ہ)

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشن ویراں ہیں ای خستگی طالع
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

ای شور قیامت یہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے ہی ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا مارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ بھی عالم کو ہووے تو ہو لیکن
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل دیدہ

کرتا ہی جگہ دل میں جوں ابروئے پیوستہ
ای درد یہ تیرا تو ہر مصرعۂ عمدہ

رکھتی ہی میرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

چشم کشادہ کار کسو سے نہیں مجھے
رکھتا ہوں میں بسان گہر جملہ تن گرہ

پہونچے گر اس طرف کو تری زلف کی نسیم
نافے ہی میں ہو نکہت مشک ختن گرہ

اپنی اگر گرفتہ دلی ذکر کیجیے
ہو غنچہ وار خاطر یک انجمن گرہ

ہر چند سعی میں ہی رہا ناخن ہلال
کھلتی ہی پر سپہر کی کوئی کہن گرہ

جب چاہیے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھولیے
ہوتا ہی آ زباں پہ میری سخن گرہ

تنگی سے تن کے جامہ کی ہوتا ہی دل خفا
[illegible] پہ پیرہن گرہ

ہر چند کھولی تو نے تو پھر کب جی سے گانٹھ
[illegible] کھلی [illegible] گرہ

کیونکر یہ کار عشق گرہ در گرہ نہ ہو
[illegible] دل [illegible] وا [illegible] گرہ

جیتا کسی کو چھوڑے نہ یہ گانٹھ رہر کی
زلف [illegible] ماتھا ہی جبیں کا ہی من گرہ

واشد کبھو تو درد کے بھی ساتھ چاہیے
منہ تو قبا سے کھول ٹک اے گلبدن گرہ

ربط ہی ناز بتاں کو تو مری جاں کے ساتھ
جی ہی وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ

اپنے ہاتھوں کے بھی میں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہی گریبان کے ساتھ

جو جفا جو ہیں انھیں سنگدلی لازم ہی
کام تلوار کو رہتا ہی سدا سان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی وہ بھی ملے [illegible] تو خیر
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

درد ہر چند ہیں ظاہر میں تو ہوں مور ضعیف
تو نسبت ہی وہ مجھ کو سلیمان کے ساتھ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا ! بال و پر پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے بھی دیکھا تھا اسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثر پروانہ

گر ترا حسنِ برہنہ نظر آجاوے اُسے
نت رہے آگ میں سوزِ جگرِ پروانہ

کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں لیے جاتی ہی
سوجھتا بھی ہی تجھے کچھ نظرِ پروانہ

ایک ہی جست میں کی مرحلِ مقصود اُس نے
راہرو رنگ کی جا ہی سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں ای دردؔ میں کس سے خبرِ پروانہ

دل پہ نے اختیار ہو کر آہ
تو ہی کہہ کب تلک نہ اُٹھے کراہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجیے گا
میں بھی جوں نقشِ پا ہوں چشم براہ

کیا کہوں تجھ سے ہمنشیں دل میں
برچھی سی لگ گئی ہی وہ ترچھی نگاہ

جو ہوے ہیں قرار آپس میں
میں مرا اور تو ہی میرا گواہ

جس پہ تقصیر وار تم سمجھو
ابھی ایسا تو کچھ نہیں ہی گناہ

ہنسنے اور بولنے کی باتیں کرو
نام اُس کا نہ لو کہاں ہی چاہ

دیدہ و دیدہ رکھے جاوے گا
جب تلک ہو ملاپ خاطر خواہ

بت پرستی نہیں شعار اپنا
ہم کو ایسا نہ سمجھیو واللہ

شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں
پر تیری شوخی کچھ عجب ہی واہ

ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہی
کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ

دردؔ اپنی طرف سے حاضر ہی
آگے پھر ہی تمھارے ہاتھ نباہ

جوں جرس دل کے ساتھ میرے آہ
نہیں نالے سوا کوئی ہمراہ

قصۂ زلفِ یار کیا کہیے
ہی دراز اور عمر ہی کوتاہ

درد درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کے یا اللہ

دل سوا کس کو ہوا اس زلف گرہ گیر میں راہ
ہے دوانوں کی طرح خانۂ زنجیر میں راہ

ہم سے بیجا توں سے شرمندہ دم عیسیٰ ہے
ہو صبا کے تئیں کب غنچۂ تصویر میں راہ

نالۂ دل نے میں پیٹھ کو پھرا شہر بہ شہر
آہ پر تو نے نہ کی ٹک دل تاثیر میں راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہ یار
جوں آئینہ ہر ایک گھر میں صفا کو دیکھ

ردیف ی

اُس کی بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
فصل بہار جس کے ہاں ایک بہ گل فروش ہے

بخت سیہ برنگ شب ساتھ ہی گلیم پوش ہے
شمع بھی اپنے ہاں اگر ہے تو سدا خموش ہے

خلوت دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حسن بلا ہے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے

ہو دوے تو در میان سے اپنے تئیں اُٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی وبال دوش ہے

نالہ و آہ کیجیے خون جگر ہی پیجیے
عہد شباب کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے

خبر بخشے جو چاہیے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ
ہم نے جہاں کی سیر کی رہزن خلق ہوش ہے

بے خبروں کو پھر کہیں دست قضا نہ چھیڑ تو
مثل دہل ہر ایک یاں ورنہ بھرا خروش ہے

غیر ملال نہ ادا کیا ہے طریق زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچۂ مے فروش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

آفتِ جان و دل تو یاں وہ بتِ خود فروش ہے
پہلے ہی سب کے پیشکش صبر و قرار و ہوش ہے

دل کو صبا مست کر کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

کس کی یہ ہوئی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
غنچے سبھی ہاں ہیں ۔ گل بھی تمام گوش ہے

آتشِ گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا
ہم کو بہ ہمت ذرا نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو اک معصیت چاہی تھی پر نہ چھپ سکی
اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے

آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں
منہ پہ ہے مہرِ خامشی دل میں بھرا خروش ہے

دور نہیں ہوا ہمیں رنجِ سرور ساقیا
ایک وہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چھپائیے
بار بھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے
سو گیا تھا جگا دیا کس نے

میں کہاں اور خیالِ بوسہ کہاں
منہ سے منہ یوں بھڑا دیا کس نے

وہ مرے چاہنے کو کیا جانے
یہ سندیسا سنا دیا کس نے

ہم بھی کچھ دیکھتے سمجھتے تھے
سب یکایک چھپا دیا کس نے

وہ بلا سے بھاگتا تھا اور
درد تجھ تک بلا دیا کس نے

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئینہ
یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

گلگیر منہ پسار نہ تو شمع کی طرف
اُس کی زبان ہی اُسے کام نہنگ ہے

کب ہے دماغ عشق بتان فرنگ کا
مجھ کو تو آہ ہی ہستی ہی قید فرنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

میں کیا کہوں تجھے نظر آتا نہیں ہے کیا
اس گلشن جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچہ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اس میں درد
دیکھا چمن میں جا کے تو کچھ اور رنگ ہے

وحدت نے ہر طرف سے جلوہ دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیئے

ہوں کشتۂ تغافل ہستی سے نے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اُس نے بھلا دیئے

روتی ہیں چشم ابر بہت یہ تیری دادخواہ
کتنے ہی تیغ ابرو نے قصے چکا دیئے

عنقا کی طرح بستے تھے یاں نام و ننگ
تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیئے

پگھلا دل اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہر چند روتے روتے میں نالے بہا دیئے

یارب یہ کیا خرام ہے جس نے اک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دیئے

عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک
اولے سے روزگار نے یوں ہی گھلا دیئے

صیاد کہتے ہیں کہ گرفتار یاں کئی
صدقے کر اپنے آج کسی نے چھڑا دیئے

ابر مژہ یہ چشم تو کیا ہیں الگ گھر کے گھر
تو نے برس برس کے ہزاروں بہا دیئے

دونوں جہان کی نہ رہی کچھ خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جس کو پلا دیئے

اے شور حشر گردش دوراں نے اہل قبر
ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وہیں جگا دیئے

چاہو تو شکر و نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اُٹھا دیئے

سیلاب اشک گرم نے تصویر کے تمام
اے درد کچھ بہا دیئے اور کچھ جلا دیئے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے
گل سامنے واں سے منہ ڈھانپ کر آوے

قاصد سے کہو پھر خبر ادھر ہی کو لے جاوے
یاں سے نہ خبر آگئی جب تک خبر آوے

لوٹے ہے ترے گنج شہیداں کو غریبی
جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

زاہد کو جتا دیجو یہیں پہ رہ داں
آنا ہے تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے

کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلی ہے
تب جانیے جب ایک و قدم چل ادھر آوے

جوں خواب ہے وابستہ غفلت یہ تماشا
کھل جاوے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے

اے صبح رواں تیری مدد ہووے تو شاید
اس بحر میں ہم سے بھی کوئی شعر تر آوے

مطلق بھی نہیں درد اضافت سے مبرا
عہدے سے تقید کے کوئی کیونکہ بر آوے

اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہے
کبھوٹ دل کیا خالی تو پھر چھاتی بھر آتی ہے

سناؤں کیونکہ اپنا حال میں کیا سخت مشکل ہے
یہ قصہ جب لگوں کہنے تو اس کو نیند آتی ہے

نہیں مشتاق آئینہ کے جو وہ صاف طینت ہیں
صفا تو عارضی ہے اور کدورت اس کی ذاتی ہے

قیامت سر زمین دل پہ میرے حشر برپا ہے
ہوس ہر دم تمنائیں تو یہ پیہ رکھ اٹھاتی ہے

اگر آئینہ چار آئینہ پہر لے تو نہیں سنکھ
سپر ہوں تیر مژگاں کا سو یہ میری ہی چھاتی ہے

لے بیٹھے

پرکھا نت ہی رہتا ہے مجھکو درد کیا کہیے
کہ ایسی زندگی سی چیز یوں ہی مفت جاتی ہے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

نشو و نما کی کس کو امید اے بہاریاں
میں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

تحریک ہے یہ اس پہ قدرت کی ورنہ کب
نے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

مثل حباب جیب کہ نظر سے گیا گیا
ہیں وہ غریق ہوں کہ نہ ڈوبا اچھل سکے

گرنے نہ دویں خلق کی نظروں سے دل کو ہم
تو ہی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے

روشن ضمیر جتنے ہیں سالم ہیں جوں نجوم
چرخ آسیا سے اپنے یہ دلنے نہ دل سکے

کرتے عبث ہو شیشہ گراں سنگ کو گداز
پگھلائے سے جو غم سے کوئی دل پگھل سکے

کہلاؤ کسی کو دل کوئی اس اس رو پھٹا ہوں
اے درد ناصح کو اگر تو بدل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

اخفائے راز عشق نہ ہو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مست شراب عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
اے درد چاہے لائے بخود پر نہ لا سکے

قسم ہے حسرت دل ہی کے آستانے کی
ہوں ہو چکا ہیں جو دیر و حرم کے جانے کی

طرح اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

کیا جگر کو مرے داغ سر سے وعدوں سے
خبر سنی جو کہیں میں کسو کے آنے کی

نظر نہ پوچھو تو میرے دل کے خطروں پر — نہ جی میں لاؤ کچھ بات کیا دوا لے کی
جفا و جور اٹھانے پڑے زمانے کے — ہوس تھی جی میں کسو ما نہ کے اٹھانے کی

طریق ذکر تو ہی درد یاد عالم کو
طرح بتائے کچھ اپنے نہیں بھلانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے — جز وصل سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے
وہ اشک نکلتا ہے مری چشم سے جس کا — ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہے
زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت — یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
گزرا ہے بتا کون صبا آج ادھر سے — گلشن میں مرے پھولوں کی بو باس نہیں ہے

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
ہر دم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

ہاں عیش کے پردے میں چھپی دل شکنی ہے — ہر زمزمۂ طرب چوں مژہ برہم زدنی ہے
دل ٹکڑے کیا ہے یہ ترا کس کے لبوں نے — جو لخت ہے سو رشک عقیق یمنی ہے
کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ مرے پاس — ہے جان سو بے جان ہے دل ہے سو غنی ہے
تن پروری خلق مبارک ہو انھیں ہاں — جوں نقش قدم اور ہی آسودہ تنی ہے
آ گئے جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی — ایسے تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

اے درد کہوں کس سے بتا راز محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے — یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے

تو ہی اور سیر باغ ہی ہر وقت
داغ ہیں اور میری چھاتی ہی

شام بھی ہو چکی کہیں اب تو
آشتابی کہ رات جاتی ہی

کچھ مناسب نہیں ہی کیا کہیے
جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہی

ٹک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو
اب جدائی بہت ستاتی ہی

درد اس کی بھی دید کر لیجے
نوجوانی یہ مفت جاتی ہی

ہی غلط گر گمان میں کچھ ہی
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہی

دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہی
آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی

بے خبر تیغ یار کہتی ہی
باقی اس نیم جان میں کچھ ہی

ان دنوں کچھ عجب ہی میرا حال
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہی

اور بھی چاہیے، سو کہیے اگر
دل نامہربان میں کچھ ہی

درد تو جو کرے ہی جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہی

آرام سے کبھو ہی نہ یکبار سو گئے
اپنے ہمارے طالع بیدار سو گئے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے

اٹھتی نہیں ہی خانۂ زنجیر سے صدا
دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے

تیری گلی ہی یا کوئی آرام گاہ ہی
رکھتے قدم کے پانوں تو ہر بار سو گئے

وے مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھیے درد یاں سے کہ سب یار سو گئے

آج نالوں نے مرے اور بھی دل سوزی کی — زخم دل جتنے تھے یاں سب کی جگردوزی کی
جی پہ بنتی ہے جڑھی زلف کسو کی میرے — اور تو کیا کہوں ہاں اپنی سیہ روزی کی
غیر بکتے ہیں عبث میرے پیارے تیری — بے وفائی نہیں محتاج بدآموزی کی
کیونکہ تشبیہ کرے ساتھ اُسے دے کوئی — شمع کو آتی نہیں طرح دل افروزی کی

شعر کی فکر بن آتی ہے اُسی سے جس کو
درد کی طرح کبھو فکر نہو روزی کی

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے — زندگانی تو چلی جا ہم رہے
تا ابد جوں قطرہ مجھسا منفعل — جس جگہ سجدہ کرے وہ نم رہے
بہہ چلا آنکھوں سے دل ہوکر گداز — منہ پر آکر جم رہے تو جم رہے
رک نہیں سکتی ہے یاں کی واردات — کب یہ ہوسکتا ہے دریا تھم رہے
ہے زمانہ وہ کہ مثل آسماں — جس کے آگے اہل رفعت خم رہے
ہم ہی اس وحشت سرا سے ہیں اُداس — اور بھی جو آئے سو یاں کم رہے
ہے محال عقل زیر آسماں — حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے
کبک آتش کیا کرے یوں قہقہے — پیچ ہٹیوں کے گھر سدا ماتم رہے

رکھ نصیحت نفس من روحی کو یاد
جب تلک اے درد دم میں دم رہے

بلبل نہ بر آئے باغباں سے — گل کا بھی نہ کچھ چلے خزاں سے
لیتے ہیں غرہ سے کام ابرو — یہ تیر ملے نہ گو کماں سے
جوں غنچہ وہاں دل ہے غافل — ہر خندہ کہ نکلے ہے دہاں سے

ما نندِ صبا تری گلی میں
ہو سیف زباں تری سیہ مست
دُو ہیں وہ ہوا قلم کے مانند
شب خوں کے لیئے فلک پھرے ہی
ہر آن ہی واردات دل پہ
بدنام کرے ہی دختر رز

جو کوئی گیا پھرا نہ واں سے
کہہ ساغرِ چشم دل ستاں سے
جو حرف نکل گیا زباں سے
کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے
آتا ہی یہ قافلہ کہاں سے
منع اُس کو نکال اپنے یاں سے

ہی مثلِ چراغ دردمیرا
دشمن دمِ عیسوی بھی جاں ہی

نہ ہاتھ اُٹھاے فلک گو ہمارے کینے سے
نہیں خیال مجھے خاتمِ سلیماں کا
بسانِ دانۂ انگور می پرستوں سے
ترقی اور تنزل کو یاں کے کچھ عرصہ
مجھے یہ ڈر ہی دلِ زندہ تو نہ مرجاوے
مآل کار سمجھا یا فسبور نے ہم کو

کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے
برنگ نام ہوں پرکندہ دل نگینے سے
لیا ہی فیض مرے دل کے آب گینے سے
مثال ماہ زیادہ نہیں مہینے سے
کہ زندگانی عبارت ہی تیرے جینے سے
یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے

بسا ہی کون ترے دلمیں گلبدن ای درد
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

۴ جی کی جی ہی میں ہی بات نہ ہونے پائی
دید واد ید ہوئی دور سے مری اُس کی
کون وہ نے سر و ساماں ہی کہ بارِ اشک

ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی
پر جو میں چاہا تھا سو بات نہ ہونے پائی
جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی

اُٹھ چلے شیخ جی تم مجلسِ رنداں سے شتاب
جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمت گاری
ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
سو تو ای قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

جی فنا ہو ہی گیا اک نگہ گرم کے ساتھ
دردؔ کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہی
مغتنم ہی یہ دید جو دم ہی
گو سراپا ہی آہ آتش
اپنی آنکھوں میں چشم سے نم ہی
دل صد چاک ہی گلِ خنداں
شادی و غم جہاں میں توام ہی
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہی
دونوں عالم کا ایک عالم ہی
خسرو شہر کو سمجھ کہ وُو ہی زہر
سانپ کی زیست ہی تجھے سم ہی
مت عبادت پہ پھولیو زاہد
سب طفیل گناہِ آدم ہی
سلطنت پر نہیں ہی کچھ موقوف
جس کے ہاتھ آوے جام سو جم ہی
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
جو شجر ہی سو نخلِ ماتم ہی
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تیری خاطر ہمیں مقدم ہی
دل عاشق کی سنے قراری کو
وہ ہی سمجھے ہی جو کہ محرم ہی

دردؔ کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہ ہی رونا ہی نت وہی غم ہی

دل مرا باغِ دل کشا ہی مجھے
دیدہ جامِ جہاں نما ہی مجھے
چشم نقشِ قدم ہوں میں بیکس
خاک آنکھوں میں طوطیا ہی مجھے
مجھ سے ہرچند تو مکدّر ہی
تجھ سے پر اور ہی صفا ہی مجھے

۱

کہیں خاموش ہو کہ مثلِ شمع — ای زباں تجھ سے ہی گلا ہی مجھے
پانوں لرزے ہی مست کی مانند — شیشۂ مے ہر آبلا ہی مجھے
ق
دمِ دتیرے بھلے کو کہتا ہوں — یہ نصیحت سے مدعا ہی مجھے
ورنہ ان نے مروتوں کے لیے — اور بھی ہو خراب کیا ہی مجھے

یا رو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اُس سے — مذکور کسی طرح تو جا کیجیے اُس سے
جوں جوں وہ کٹے ہی تو بھی آتی ہی جی میں — پھر چھیڑ لے اور باتیں سنا کیجیے اُس سے
سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی - اب سے نہ ملیے — وہ بھی تو نہیں بنتی ہی کیا کیجیے اُس سے
بیزار اگر مجھ سے ہو - مختار ہو، بہتر — دل جس سے ملے اپنا ملا کیجیے اُس سے

ہم کہتے نہ تھے درد میاں چھوڑ یہ باتیں
پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اُس سے

سرسبز تھا نیستاں میرے ہی اشکِ غم سے — تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے
واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے — یعنی کہ آ گئے ہیں بہکے ہوئے عدم سے
ہیں گو نہیں ازل سے پر تا ابد ہوں باقی — میرا حدوث آخر جا ہی بھڑا قدم سے
گر چاہیے تو ملیے اور چاہیے نہ ملیے — سب تم سے ہو سکے ہی ممکن نہیں تو ہم سے
مشتاق گر ترا کچھ لکھے تو کیا عجب ہی — ہوں مثلِ نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے
ہر چند یہ تمنا درخور نہیں ہمارے — نزدیک تو جو آوے کیا دور ہی کرم سے
اب ہیں کہاں وہ نالے سرگشتگی کدھر ہی — تھیں سب یہ باتیں تا بست میری ہی قدم سے
ہی اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے — چنداں نہیں ہی مطلب عاشق کو بیش و کم سے
کاہے کو ہوتی تم کو گردش نصیب طالع — گر پانوں اپنا باہر رکھتے نہ ہم حرم سے

آسکے ہیں دام میں کب خورشید پیدا کسو کے	ای شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شمسے

ہی دمِ نماد پر بھی کچھ تو بیری ہی سی مصیبت
گھیرے ہی اور ہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

مراحی ہی جہاں تک تری جستجو ہی	زباں جب تلک ہی یہی گفتگو ہی
خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا	ہیں سب بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہی
تمنا ہی تیری اگر ہی تمنا	تری آرزو ہی اگر آرزو ہی
کیا سیر سب ہم نے گلزارِ دنیا	گلِ دوستی میں عجب رنگ و بو ہی
غنیمت ہی یہ دید وا دیدِ یاراں	جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہی

نظر میرے دل کی پڑی دردؔ کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہی

روندے ہی نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے	ای عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
ای گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں	گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
تہی ہی کوئی بن کیے میرے تئیں تمام	جوں شمع چھوڑنے کی نہیں یہ زباں مجھے
پتھر تلے کا ہاتھ ہی غفلت کے ہاتھ دل	سنگِ گراں ہوا ہی یہ خوابِ گراں مجھے
کچھ اور کنجِ غم کے سوا سوجھتا نہیں	آتا ہی یاد جب کہ وہ کنجِ دہاں مجھے
جاتا ہوں جوشِ دماغ جوشِ گریہ سے کبھو	بدلے ہی وہ وہیں نظر وہ دیکھا جہاں مجھے

جاتا ہوں بس کہ دم بدم اے غالب کہیں ملا
ہی خضرِ راہ دردؔ یہ ریگِ رواں مجھے

کب آزاد یوانہ آوے قید میں تدبیر سے — جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے
قدر مردوں کی سمجھنے کے نہیں یہ مایہ دار — جوہری واقف نہ ہووے جوہر شمشیر سے
دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال ٹک — جابجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے
منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں — جز خرابی کے بنا کیا فائدہ تعمیر سے

ذرہ داب ہنستے ہیں رونے پہ مرے خاص عام
کیا ہو وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم پہنچی ہی وحشت کو مری چشم شرر سے — آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے
ای ہم وطنان ایکی یہ غیرت زدہ ہرگز — پھرنے کا نہیں عمر کے مانند سفر سے
کیوں تیغ تری دشمنی کرتی ہی مرے ساتھ — مجھکو تو نہیں کام کسو کی بھی کمر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی نے مجھے گردوں — جانے نہیں دیتا ہی ادھر سے نہ ادھر سے
کعبے بھی بھلا شیخ ترے ساتھ چلیں گے — ایدھر کو پھریں گے ہم اگر یار کے گھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہی — ای کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے
کھلتی ہی مری آنکھ جو احوال پہ اپنے — جوں شمع گھٹا جاتا ہوں میں اپنی نظر سے

ای سنگ جو کچھ تونے کیا شیشے کے حق میں
کرتا ہی کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے — تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے
ہر شہ ہمہ الفت ہی بڑا شیخ و برہمن — پر شیشہ بجز سبحہ و زنار نہ ہووے
گر قید ہی قسمت میں ہی کچھ اور نہ ہو یارب — پر دل کو سر دل ... گرفتار نہ ہووے
پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے — دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

دل! ایسے ستمگار سے اظہارِ محبت — ایسا نہ کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

گر زندگی اس طور سے ہی درد جہاں میں
خاطر پہ کسو شخص کے تو بار نہ ہووے

دیا ہی کس کی نظر نے یہ اعتبار مجھے — کہ ایک دم بھی نہیں ان کے پاس بار مجھے
سوائے تیرے کسو سے نہیں ہی وابستگیاں — مثال آئینہ ہی چشم انتظار مجھے
ہمیشہ اپنی نظر میں سبک میں رہتا ہوں — دیا ہی اوروں کی نظروں میں گو وقار مجھے
کبھو ہی جی میں گذرا خیال سرتابی — برنگ سایہ بنایا ہی خاکسار مجھے
تمہارے وعدے کی باتیں خوب میں سمجھتا ہوں — رہا ہی ایسے ہی لوگوں کا اعتبار مجھے
یہ کون برق تجلی ہوا ہی آفت جاں — کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے
جفا و جور تو ظالم سبھی گوارا ہیں — مگر یہ رسم جدائی ہی ناگوار مجھے
یہ آپ ہی آپ کدھر تیور ان بدلتے ہو — دکھائیے تو سہی منہ بھی ایک بار مجھے

اس امر میں بھی یہ نئے اختیار ہی بندہ
ملا ہی درد اگر یاں کچھ اختیار مجھے

فرصت کیا کہ ہی ہوس یک دو قدم ہی فراغ ہی — آپ کہیں کو اٹھیے سو کب یہ دل و دماغ ہی
دیکھیے جس کو یاں اسے اور ہی کچھ دماغ ہی — ہر رنگ شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہی
تجھ سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں — قید خودی نہ ہو اگر پھر تو عجب فراغ ہی
حال کبھو تو پوچھیے میں جو کہوں سو کیا کہوں — دل ہی سو ریش ریش ہی سینہ سو داغ داغ ہی
کھو نہ سکے کبھو غبار میرے نقشے کی آبرو — دیدہ آئینے کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہی
سنتے ہیں یوں کہ آدمی تو ہم میں ہی پر کہاں — اپنی تلاش سے غرض ہم کو تو اب سراغ ہی

غفلتِ دل لاعلاجی بکہ پنبۂ گوشِ خلق **درد**
بلبلِ داستاں سرا ورنہ ہر ایک باغ ہے

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہے الم ہے داغ ہے
جی کی خوشی نہیں گرہ سبزہ و گل کے ہاتھ کچھ
کس کی چشمِ مست نے بزم کو یوں چھکا دیا
جلتے ہی جلتے صبح تک گزری اسے تمام شب
پائیے کس روش بتا اے بتِ بے وفا تجھے

یاد کرے ہمیں کبھی کب یہ تجھے دماغ ہے
دل ہو شگفتہ جس جگہ وہی چمن ہے باغ ہے
مثلِ حباب سرنگوں شرم سے ہر ایاغ ہے
دل ہے کہ شعلہ ہے کوئی شمع ہے یا چراغ ہے
عمرِ گزشتہ کی طرح گم ہی سدا سراغ ہے

سیرِ بہار و باغ سے ہم کو معاف کیجیے
اُس کے خیال سے تو یاں **درد** کسے فراغ ہے

لحظہ بہ لحظہ یاں نیا داغ پہ اور داغ ہے
تیری نگاہِ مست نے جیسے نہ کی ہے مے کشی
دولتِ فقر کے حضور گرد ہے جاہِ سلطنت
اُس کے خیالِ زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
ہم نے کہا بہت اسے پر نہ ہوا ہے آدمی

تو بھی ادھر نگاہ کر ساحتِ سینہ باغ ہے
خون سے اپنے مثلِ گل ہم نے بھرا ایاغ ہے
کہتے ہیں جس کو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہے
گرچہ پھنسے ہیں دام میں دل کے تئیں فراغ ہے
زاہدِ خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہے

اہلِ نظر کو رہنما **درد** نہیں ضرور کچھ
مثلِ شرر وہی ہے چشم اور وہی چراغ ہے

پھنسیے کسی کی زلف میں کب یہ ہمیں فراغ ہے
شعلۂ دل کو ہر گھڑی اے دمِ یاس مت بجھا
ہووے رقیبِ روسیہ آپ کے ساتھ جا بجا

لیجیے شمیم سے سو بھی کہاں دماغ ہے
اپنی بساط میں تو یاں ایک ہی چراغ ہے
کچھ بھی ہے ربط سمجھیے ہمرہِ کبک زاغ ہے

قصہ ہے جس طرح بنے پہونچیے آپ تاک ہی بس | دن بھی یہی ہے جستجو رات یہی سراغ ہے

درد وہ گل بدن مگر تجھکو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لیے باغ باغ ہے

پہلو میں دل تپاں نہیں ہے
ہر چند کہ یاں ہے یاں نہیں ہے
عالم ہو قدیم خواہ حادث
جس جا کہ نہیں ہیں ہم، جہاں نہیں ہے
ڈھونڈے ہے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہے
عنقا کی طرح میں کیا بتاؤں
جز نام مرا نشاں نہیں ہے
جوں شمع نہ راز دل کہوں گا
ایسی بھی مری زباں نہیں ہے
وعدے پہ ہو کیونکہ ہاں تسلی
ہرگز یہ مجھے گماں نہیں ہے

فریاد کہ درد جب تلک میں
تیار ہوں کارواں نہیں ہے

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے
پر یہ لذت تو وہ ہے جی ہی جسے پاتا ہے
آہ کیا تاک میں کون تیری بلا سنتی ہے
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہے
ہم نشیں پوچھ نہ اُس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے
بات کچھ دل کی ہمارے تو نہ سمجھی ہم سے
آپ ہی خوش ہوا پھر آپ ہی گھبراتا ہے
جی کڑا کرکے ترے کوچہ سے جب جاتا ہوں
دل دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے
راہ بیٹھے ہے کبھو اُس شوخ کے تئیں ہم سے بھی
دیدہ وادیدہ تو ہوتی ہے جو مل جاتا ہے

درد کی قدر مرے یار سمجھا واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہے

یہ تحقیق ہی یا کہ افواہ ہی ۔ کہ دل کے تئیں دل سے ہاں راہ ہی

اگر نے حجابانہ وہ بت ملے ۔ ۷ غرض پھر تو اللہ ہی اللہ ہی

عدم رفتگاں کو جو کہنا ہی کچھ ۔ تو قاصد ہمارا سرِ راہ ہی

نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر ۔ فقط ایک دل ہی کہ آگاہ ہی

گئے نالہ و آہ سب ہم نفس ۔ دمِ سرد ہی اک ہوا خواہ ہی

خدا اس کو رکھے سلامت کہ ہے ۔ خبر گیر دل گاہ و بے گاہ ہی

یہ کیا درد سال تجھ پر مصیبت پڑی
کہ دن رات نالہ ہی اور آہ ہی

دشنام دے ہے غیر کو تو جان کر مجھے ۔ پیارے یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے

کل کی طرح سے آج بھی اب نیند آ چکی ۔ گھیرا اسی خرابی نے پھر آن کر مجھے

کہتا ہی اک نگاہ یہ آئینہ رو مرا ۔ بس اور اب زیادہ نہ حیران کر مجھے

آنا یہ بندہ خانہ ۔ اگر تجھ کو عار ہی ۔ دولت سرا میں اپنے ہی مہمان کر مجھے

ہوں روبرو سے چشم تو ہیں سرمہ در گلو ۔ پر کیجو زلف سے نہ پریشان کر مجھے

صدقے ترے ہیں کب تک تڑپا کروں عبث ۔ ہی روزِ عید آج تو قربان کر مجھے

ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لا کلام
ہی درد کے مانتے ہیں یہ سب آن کر مجھے

یاں غیب کے جلوے کے تئیں جلوہ گری ہی ۔ جو شخص کہ گزرا ہی نظر سے نظری ہی

گر ناز کی عشق سب تجھے رنگ سا دکھا دے ۔ ہر سنگ میں شیشہ ہی ہر شیشہ پری ہی

جوں شیشۂ ساعت ہیں تنگ ظرف جہاں کے ۔ واں دل میں کدورت ہی تو یاں یاد بھری ہی

سو طرح سے دیتے ہیں اُسے پیچ ہنر مند
مجھ سے نہیں ملتا یہ مری بے ہنری ہے

دل تنگ ہے بہ غنچۂ دل منہ نہ کھلانا
جوں نکہتِ گل اس میں تری پردہ دری ہے

ہے جوں مہ و خورشید زر و سیم میسر
تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہے

لیتا ہے خبر وہ تو سبھی خلق کی لیکن
اپنے تئیں اے درد بہت بے خبری ہے

مجکو تجھ سے جو کچھ محبت ہے
یہ محبت نہیں ہے آفت ہے

لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے

بند احکامِ عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے

ایک ایمان ہے بساط اپنی
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہے

آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
درد یہ بھی خدا کی قدرت ہے

گل اگر سمجھو تو بعضے بھید کچھ کہکر گئے
بلبلو کتنے ہی غنچے رازِ دل تہ کر گئے

چند مدت اب تم اے یاراں آئندہ رہو
پیش ازیں یک چند اس بستی میں ہم رہ کر گئے

آنسوؤں میں کچھ جگر کے بھی ہیں ٹکڑے بعض بعض
یہ نہیں معلوم لختِ دل کدھر بہہ کر گئے

یہ نہ سمجھے اور ہیں شاطر نے شہ دی تھی انھیں
زعم میں اپنے سلاطیں آپ کو شہ کر گئے

کشتگانِ عشق کی ہنو حدا سے خوب درد
سخت صدمے یہ بتوں کے ہاتھوں یاں سہہ کر گئے

شخص و عکس اس آئینہ میں جلوہ فرما ہو گئے
ان نے دیکھا اپنے نقش ہم اس میں پیدا ہو گئے

آئے تھے اس مجمعے میں قصد کر کے دور سے / ہم تماشے کے لیے آپ ہی تماشا ہو گئے

شیخ صاحب کچھ نہ پوچھو خلق ہے وہ پر فساد / جس میں ہاں اصلاح سے ہی فتنے برپا ہو گئے

آہ وہ وہ شخص جو دیتے تھے خبریں غیب کی / ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ان کو لوگ وہ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کے نہ ہاں سے پھر گیا
ہم بھی تو اے درد چلنے کو مہیا ہو گئے

تہمت چند اپنے ذمّے دھر چلے / جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے / ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا / ایک دم آئے ادھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس / تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

آہ بس جی مت جلا تب جانیے / جب کوئی افسوں ترا اس پر چلے

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست / زخم کتنوں کے سنا ہے بھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم میں / چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈتے ہیں آپ سے اس کو پرے / شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے / وہ ہی آڑے آ گیا جیدھر چلے

ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے / ساتھ اپنے اب اسے لیکر چلے

جوں شرر اے ہستی بے بود یاں / بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ / جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات جب آن دان پڑتی ہی
تب کہیں تیرے کان پڑتی ہی

آتش عشق قہر آفت ہی
اک بجلی سی آن پڑتی ہی

آخر الامر آہ کیا ہوگا
کچھ تمھارے بھی دھیان پڑتی ہی

بات چڑھتی ہی دل پہ جو آخر
خلق کے پھر زبان پڑتی ہی

میرے احوال پر نہ ہنس اتنا
یوں بھی اے مہربان پڑتی ہی

شعر ہی اور درد ہی یعنی
بات بس اور ہی جان پڑتی ہی

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے
نے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اکبار تو منہ اپنا دکھالے

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیونکہ بچاوے
دل زلفوں سے گر بچ جاوے تو آنکھوں سے چرا لے

وہ سرخ لباس اس کے گلے میں نظر آیا
جس کے ہیں مگر دل میں پڑا پیٹ نہیں لالے

کب تجھ پہ گذرتا ہی کبھو میرا سا احوال
یوں چاہیے سو تو اور بھی کچھ باتیں بنا لے

کیا جانیے کس دل کے تئیں آہ ڈسیں گے
زلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑے ہیں کالے

پھر آگے قیامت ہی اگر اب بھی نہ آؤ
مرہٹ کے جدائی کے دن اپنے تو ہیں ٹالے

ابرو نے تری جس طرف اب تیغ سنبھالی
مژگاں نے وہیں کر دیے تب سامنے بھالے

وعدے کی تو مدت نہ کہی درد کچھ اس نے
اس غم کو بھلا کہیے کوئی کب تئیں ٹالے

غیر جو بے فائدہ ہاتھوں پہ گل کھایا کیے
ہم بھی ناحق داغ اپنے دل کے نت کھایا کیے

دل کی دل جانے مجھے شکوہ تو ملنے کا ہے
گاہ گاہے پاس میرے آپ بھی آیا کیے

دن تمھارے تو کٹے بارے خوشی سے ہر طرح
ہم بلا سے یاں پڑے راتوں کو گھبرایا کیے

دل برا ہو ماہے کوئی تجھ سے پر یوں ہی عبث
ہم سدا غیروں سے ملنا سن کے گھبرایا کیے

چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر
رات دن ہر چند اپنے دل کو بہلایا کیے

دیکھنے پاتا نہیں ہے کوئی جس کی چھانوں یاں
لے چلی ہے آج ہم کو وہ پری سایا کیے

اپنے دروازہ تلک بھی وہ نہ آیا ایک بار
ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے ہم جس کے لیے جایا کیے

یا تو وہ راتیں کٹیں یا یہ کچھ دنوں کا پھیر ہے
ہاتھ اب لگتے نہیں تب پانوں دبوایا کیے

تب ہمارے اس کے اب تک یوں نہیں بگڑی دردیا
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کیے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں یہاں ہاتھ دھو بیٹھے

بساط اپنی میں ہم تھے آپ سو آپ تو نہیں ملتے
نہ تھا کچھ اور اپنے پاس جو رکھتے تھے کھو بیٹھے

نہ پوچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں
چلے تھے ڈھونڈھنے جس کو سو وہ ہی آپ ہو بیٹھے

وفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ اے ظالم
لگا تھا خون داماں سے سو وہ بھی آپ دھو بیٹھے

نہ اٹھو درد اپنے بستر سے طمع کر ہرگز
جو کچھ یوں غیب سے آوے سو تم البتہ لو بیٹھے

جو باں کچھ چاہنے والے قریب آ کر بیٹھے
ہم اپنا دل بغل میں داب لیکے آ کر بیٹھے

نہ پوچھو عشق کی سوزش نے عالم میں کیا کیا کیا
عجب طوفاں اٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے

محبت نے تمھاری دل میں بھی اتنا تو سر کھینچا
قسم کھانے لگے تب ہاتھ میرے سر پہ دھر بیٹھے

کوئی دن اور بھی ہم کو پھرا لے گردشِ دوراں
نہیں اٹھنے کے پھر ہرگز کہیں اب کے اگر بیٹھے

نہ آنا تھا بھرا جی میں سو اب لو کچھ کرو خالی
کہ دن جتنے تھے وعدن کے نہ ملنے سے ہی بھر بیٹھے

پر یکھا کس لیے اتنا کوئی جانے جو کچھ جانے

سدا رہتے ہیں یوں تو لوگ یاں اللہ رکھے

کوئی بیٹھ اس کنے یاں جا سکے ہے اس طرح جلدی
چلے تھے ہر گھڑی اٹھ اٹھ کے ہم ای دمہد پر بیٹھے

کبھو لونے وفائی یاد آ جی کو ڈراتی ہے
چھلاوا سا جو ہو جاتا ہے جلوہ وصل کا گاہے
کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
اگر ستم ہو تو بھی کب یہ صدمہ تھم سکے اس سے

کبھو امید وعدوں کی بھروسے یاں دلاتی ہے
جدائی بھر تو اک مدت عوض کیا کیا دکھاتی ہے
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
تپش دل کی سنبھالوں یوں تو میری ہی چھاتی ہے

پھرے ہے اس طرح جو آج تو اے دمہد بیہودہ سا
بتا ہم کو بھی ٹک بارے وہ کیا آفت کہ آئی ہے

ہر گھڑی ڈھاپا چھپانا ہے
وصل سے بھی تو سیری ہونی ہے
دل لگاؤ کہ یا گلے ہی لگو
ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم
یہی اپنی بھی گوں کی باتیں ہیں
واہ رے یہ زبان کی تیری

الغرض تو بہو دکھانا ہے
کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے
داؤ ہے لگیے جو لگانا ہے
یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
آ ہی جانا جدھر کو آنا ہے
ہر طرح کچھ نہ کچھ سنانا ہے

دیکھیو کیجیو نہ بے دردی
دمہد کو بھی تو منہ دکھانا ہے

دل تجھے کیوں ہے نے کلی ایسی

کون دیکھی ہے اچپلی ایسی

سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو — بات لاے ہو تم بھلی ایسی
وہ ملے گا تو ہم بھی ملتے ہیں — آپ لگ چلیے کیا چلی ایسی
خون ہوتا ہے دل کا ہاں آؤ — مہندی پانوں میں کیا ملی ایسی
اُس کے گھر میں کدھر سے پہونچیے جا — دل بنا دے کوئی گلی ایسی
مُسکرایا خوشی سے وہ جس طرح — باغ میں کب کھلی کلی ایسی

دہد دھڑلگے تو جو یوں چونکا
کیا اُٹھی جی میں کھلبلی ایسی

کیف و کم کو دیکھ اُس نے کیف و کم کہنے لگے — جب حدوث اپنا کھلا راز قدم کہنے لگے
غیر کچھ کچھ کان میں بھی دم بدم کہنے لگے — بات تم اب اپنے دل کی ہم سے کم کہنے لگے
واہ واقسمت کی مجبوری کو دیکھا چاہیے — وہ ہوا نئے پردہ تب ہم اُس کو ہم کہنے لگے
غافلو تم بات اپنی بھی سمجھتے ہی نہیں — ہر کسی کا وہ دہن جس کو عدم کہنے لگے

بت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہے دہد
چاہنے جس کو لگے اس کو صنم کہنے لگے

دُشوار ہوئی ظالم تجھ کو بھی نیند آنی — لیکن سُنی نہ تو نے ٹک بھی مری کہانی
منظور زندگی سے تیرا ہی دیکھنا تھا — ملتا نہیں جو تو ہی پھر کیا ہے زندگانی
محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے — ساتھ اپنے سب یہ باتیں بستی گئی جوانی
مرنے سے آگے کیا ہے مرجائینگے تو مرجائیں — بہتر نہ ملیے ہم سے گر یوں ہی جی میں ٹھانی
میرے غبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز — صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

سب کہا ہیں کہ ٹک خبر لینا — دل پہ آفت ندان ہے پیارے

ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہے
تب لگا کہنے سچ یوں ہی ہو گا
میرے دل کی جو پوچھیے یہ ہے
تجھ سے مر جائیں گے تو مر جائیں

زیست اب کوئی آن ہے پیارے
کیا پر اس کا بیان ہے پیارے
جان تو اپنی جان ہے پیارے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے
کس کی یہ موجِ حسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں
ہم بھی جرس کی طرح تو اس قافلے کے ساتھ

یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کی کیا چلے
دریا میں جو حباب سے آنکھیں چھپا چلے
نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے

کہیو مٹھیو نہ درد کہ اہلِ وفا ہوں میں
اس سنے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

جیسی بڑھتی ہے اپنی گھٹتی ہے
زلف کی کج ادائیاں دیکھو
آج ہے آہ کی ہوا کچھ اور

زندگی آپ ہی اب کٹتی ہے
ہر گھڑی عمر سے حالٹتی ہے
دیکھیے کس طرف پلٹتی ہے

جو خرابی کہ درد یاں پھیلی
دست قدرت سے کب سمٹتی ہے

گر نامِ عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے
اس خانماں خراب کے لیحاؤں میں کہاں
تیری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی
کرتا ہے اس قدر تو خفا درد کو عبث

کرنے سے قتل مجھ کو تو پھر کیا درنگ ہے
دل پر تو یہ فضا ہے سا یاں بھی تنگ ہے
تجھ کو یہ میرے ساتھ عبث عزمِ جنگ ہے
ظالم وہ اپنی جان سے اب ہی تنگ ہے

آہستہ گذر ہو تو صبا کوے یار سے
اُس سنگدل کی وعدہ خلافی کو دیکھیے
سینے کو چاک صبح کے مانند گر کروں

پیچش نہ کیجیو مری مشتِ غبار سے
پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے
جوں آفتاب نکلے مرادِ دل کنار سے

اے درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلہ ہے مجھ کو سو ہے اپنے یار سے

دیکھ لوں گا میں اُسے دیکھیے مرتے مرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہے
جو گیا کوچے میں اُس کے نہ پھرا ایدھر کو

یا نکل جائیگا جی نالے ہی کرتے کرتے
خالی ہو جاے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے
اے صبا جاتی تو ہے جائیو ڈرتے ڈرتے

درد جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ پر اُس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پانوں سے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر اور چمن میں بہار ہے
ظالم سمجھ کے اپنے نظر کیجیو کہیں
رونا نہیں ہے شاہدِ مینا یہ بے سبب

ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہے
گزرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہے
گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہے

نادان نظر سے اپنی گرا دے نہ درد کو
جو کچھ کہ ہے سو ہے یہ ترا دوست دار ہے

مدت ہوئی کہ وہ سی عنایات رہ گئی
یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے ربط
بازی بدی تھی اُس نے مری چشمِ تر کے ساتھ

اب گاہ گاہ سامنے ملاقات رہ گئی
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی
آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

وہ دختِ رز کہ چھلتی پھرے ہی جہاں کی
کہتے ہیں درد پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہی پر اسے کچھ پیار بھی ہی
ساتھ انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہی
زاہدا شرک خفی کی بھی خبر تک لینا
ساتھ ہر دانۂ تسبیح کے زنّار بھی ہی
چشمِ رحمت سے ادھر کو بھی نظر کیجیئے گا
اسی اُمید پہ آیا یہ گنہگار بھی ہی

دل بھلا ایسے کو ای درد نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہی اور تس پہ طرحدار بھی ہی

جب نظر سے بہار گزرے ہی
جی پہ رفتار یار گزرے ہی
وہ زمانہ سے باہر اور مجھے
رات دن انتظار گزرے ہی
جس کے تو ہو کے سامنے گزرا
آپ سے بار بار گزرے ہی

نالۂ زار درد کا ہر اک
چھوٹتے دل کے پار گزرے ہی

تو چمکنا عبث ہی کسی بات کے لیے
میں آگیا ہوں صرف ملاقات کے لیے
یوں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہو گئی
ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کے لیے
اگلے معاملے کو اگر بیب کیجیئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیے

ہم جانتے ہیں درد اندھیرے میں رات کو
تو لگ رہا ہی کوچہ میں جس گھات کے لیے

غمناکیِ بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہی
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہی

دم لینے کی فرصت یاں ٹک دی نہ زمانے نے
خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہونچا
خورشید نہ تنہا ہی گردش میں زمانے کی

ہم تجھکو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہی
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہی
یاں اپنے دنوں کے تئیں شبنم بھی تو روتی ہی

جو ملنا ہی مل پھر کہاں زندگانی
عجب خواب درپیش ہی پھر تو سب کو
دلاسا تو دیجو تو ٹک جا کے اُس کو
نجاوے گا جب تک سے مر جی میں جی ہی

کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
سُنا لو ٹک اب اپنی اپنی کہانی
پہنچتی ہی بیکس مری جاں فشانی
ترا غم ہی پیارے مرا یار جانی

دمساز اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
فرسودگی ہی رشتۂ تسبیح کا حصول
جس دل پہ نے وفائی معشوق کے سبب
دل دے چکا ہوں اس بتِ کافر کے ہاتھ میں

جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
یہ کچھ گزر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خونِ دل رواں ہی
غنچہ ہی دل گرفتہ گل کا ہی چاک سینہ
آہوں کی کشمکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
گمنام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہی کوئی

جو کچھ ہی میرے دل میں مُنہ پر مرے عیاں ہی
گلشن میں ہی تو یہ کچھ آسودگی کہاں ہی
تارِ نفس سے ای دل وابستہ میری جاں ہی
عنقا کا نام ہی تو ہر چند نے نشاں ہی

دل تڑپتا ہی درد پہلو ہی
غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں

جی نکل جائیو کہ تا بو ہی
کہ مرا سر ہی یا کہ زانو ہی

منع صہبا نہ کر تو مجھے ای شیخ!
می پرستوں کے حق میں دارو ہی

جلوہ گر ہی تجھی میں ای ذرّے
جس کی خاطر سے تجھے تگاپو ہی

ہستی ہی سفر، عدم وطن ہی
ہر چند کہ سنگِ دل ہی شیریں
دیکھا تو یہ شورشِ من و ما
مت جا تر و تازگی پہ اس کی

دل خلوت و چشم انجمن ہی
لیکن فرہاد، کوہ کن ہی
ہنگامۂ وصلِ جان و تن ہی
عالم تو خیال کا چمن ہی

نہ وہ نالوں کی شورش ہی۔ نہ آہوں کی ہی وہ دھونی
جلا کر دیکھ نامے کو حقیقت گر نہیں پڑھتا
تپش کو دل کی میں جانا تھا یہ آنسو بجھا دیں گے
پڑی ہی خاک پر یہ لاش اس رشکِ گلستاں کی

ہوا کیا درد کو پیارے، لگی کیوں آج ہی سونی
محبت کے شراروں نے یہ چھاتی جس طرح بھونی
و لے یہ آگ کو پانی سے بھڑکی اور بھی دونی
لہو کے آنسوؤں روتا ہی جس کو قتل کر خونی

تو اس قدر جو اس کا مشتاق ہو رہا ہی
کوئی بھی شخص اس کا مارا ہوا نہ پنپا
سیماب کشتہ کس کا ماء الحیات کہ پھر

کیا دل سے بھی زیادہ آئینہ میں صفا ہی
دل مت کہیں لگانا الفت بُری بلا ہی
گر جی کو مار سکیے ای درد کیمیا ہی

کس کے تئیں نہ دیکھیے کس پہ نگاہ کیجیے
عہد شکن ہو، خواہ وہ دل شکنی کیا کرے
کعبہ کو بھی نہ جائیے دیر کو بھی نہ کیجیے منہ

کھولیے جس طرف نظر سمجھیے آہ سے کیجیے
اس کی طرف سے ہو سو ہو آپ نباہ کیجیے
دل میں کسو کے درد یاں ہووے تو راہ کیجیے

نہ وہ بہار واں ہے نہ یاں ہم جواں رہے
آباد رکھیو خانۂ دنیا کو اے سپہر

ملیے پھر اس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے
یک چند ہم بھی آن کے یاں میہماں رہے

دل اپنے پاس گو کبھو رہنا نہیں ہے درد
پر یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھریئے اثر شرط ہے
بڑا عیب فاحش ہے انسان میں
قدم عشق میں درد رکھتا تو ہے

وگر ضبط کریئے جگر شرط ہے
پرکھنے کو اس کے نظر شرط ہے
وہ جانے کہاں ہیں خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کس کس طرح سے ان نے بھی سن سن کے ٹالیا
اس کی نظر میں درد یہ کچھ بات بھی نہیں

کچھ پارہ ہاے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے
ہر چند ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے
دانست میں ہم اپنی جو کچھ سن کے سہہ گئے

یہ زاہد کب خطا سے بے خطر ہے
علاج درد سر صندل ہے لیکن

اگر آدم نہیں تو بھی بشر ہے
ہمیں گھسنا ہی اس کا درد سر ہے

سراپا چشم ہوں جوں آئینہ پہ
کسو پر درد کب میری نظر ہے

کروں کس کے ساتھ اے شرر گرمجوشی
خبر اپنی لے اے گلستان خوبی
نپٹ مست ہے بسکے نرگس چمن میں

نہ دیکھی زمانے کی تو چشم پوشی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی
کسو کی تو آنکھوں نے کی بادہ نوشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی — کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
مری سی نالہ تراشی نہ کر سکا فرہاد — اگرچہ اُس نے بھی اک عمر تیشہ رانی کی
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہوگئے بیزار — عجب ہے خضر نے کیونکر کہ زندگانی کی

دل سمت سینہ یا طرفِ سر کو منہ کرے — چھوڑا یہ دَر دیکھیے کیدھر کو منہ کرے
کب کم ہے مرغِ قبلہ نما سے بھی مرغِ دل — سجدہ اُدھر ہی کیجیے جیدھر کو منہ کرے
اُس کے تئیں بھی دخترِ رز ٹک تو منہ لگا — میں جانوں پھر یہ زاہد اگر گھر کو منہ کرے

مت آنکھیو تو اس میں کہ مشہود کون ہے — ہر مرتبہ میں دیکھیو موجود کون ہے
دونوں جگہ میں معنی مولا ہے جلوہ گر — غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے
تجھ پر کھلا ہے راز الیہ المصیر اگر — ہر فعل میں سمجھیو کہ مقصود کون ہے

اک خلق سے سنا ہے سُنے خبری ہے — کس زلف کی بو تجھ میں نسیم سحری ہے
ہر آہ شرر بار ہے جوں سروِ چراغاں — کیا آگ الٰہی مرے سینہ میں بھری ہے
غافل تو کدھر بہکے ہے ٹک دل کی خبر لے — شیشہ جو بغل میں ہے اُسی میں تو پری ہے

رباعیات

جان تو اک جہان رکھتا ہے — کون میری سی جان رکھتا ہے
تیرے پہ ڈھنگ اور مجھ سے میاں — درد کیا کیا گمان رکھتا ہے

نہیں چھوڑتی قیدِ ہستی مجھے زمانے نے ای درد جوں گردباد	اگر کھینچ لے جاے مستی مجھے دکھائی بلندی و پستی مجھے
کیا جانیے کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہی اس طرح سے اک لخت جو آنسو نہیں تھمتے	اک آگ سی کچھ ہی کہ وہ سینے میں گڑی ہی معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہی
بس ہی یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ ای درد کیا عجب ہی مرے اشک و آہ سے	جاے چراغ کوئی دلِ مہرباں جلے ڈونے اگر زمین و گر آسماں جلے
آیا نہ چین جی کو نہ دل سے تپک گئی اب کون حالِ دل کہے اس مستِ ناز سے	میں چپ ہو کہاں تلک چھاتی تو پک گئی اک آہ تھی سو وہ بھی سر اپنا پٹک گئی
دل ہی یہ بیقرار نہ ہووے تو کیا کرے عاشق تو جانتا ہی نہیں اور کون ہی	اپنا جب اختیار نہ ہووے تو کیا کرے اُس کو پر اعتبار نہ ہووے تو کیا کرے
نہ ملیے یار سے دل کو تو کب آرام ہوتا ہی یہ حسن و عشق ال سمجھیں ہنگے آپس میں جو ہوگا	وگر ملیے تو مشکل ہی کہ وہ بدنام ہوتا ہی پر ان دونوں کے الجھیڑے میں اپنا کام ہوتا ہی
یہی پیغام درد کا کہنا کونسی رات آن ملیے گا	گر کوئی کوے یار میں گزرے دن بہت انتظار میں گزرے
ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی	گریباں میں ہی مثل صبح اک تارِ نفس باقی

یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سرزمینِ دل میں کوئی خار و خس باقی

گلرخاں کا بحر و بر میں جو کہ ہے مدہوش ہے
وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آسکتے نہیں
ہم نے دریا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہے
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

گر جان ہے تو جان کے آزار ساتھ ہے
دنیا وہ فاحشہ ہے کسو سے نہیں بچی
یاں زندگی کے مردنِ دشوار ساتھ ہے
دیکھا جسے تو اس کے یہ مردار ساتھ ہے

پوچھ مت قافلہ عشق کدھر جاتا ہے
گو اُچٹتا ہے مرا نالہ بتوں کے دل سے
راہ رَو آپ سے اس رہ میں گزر جاتا ہے
کچھ نہ کچھ کام تو اپنا بھی یہ کر جاتا ہے

گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے
آتی ہے دل میں اوہی صورت نظر مجھے
تو جس طرف کو دیکھے اُسی کا ظہور ہے
شاید یہ آئنہ بھی کسی کے حضور ہے

نہ کچھ غیر سے کام ذی یار سے
مجھے دیکھے دشنام کہنے لگا
کہیں چھوڑوں اس دل کے آزار سے
نہ ہوگا جو اب بھی تو بیزار سے

غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
کون ایسا آرہا ادھر کہ تم اس کی طرف
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے
آنہ پھرتے تھے کبھو یا دم بدم آنے لگے

باب فردیات

سلجھتی بات جن طرحوں میں ہم ویسا ہی سلجھاتے
نہ اُلجھیں الظر آتا لو اپنا دل نہ اُلجھاتے

گل کھائے بجے جنھوں نے وہ گل کچھ نہ کچھ کھلے ٭ پر داغ اپنے دل کے تو سب خاک میں ملے

اگر نہاں ہے تو تو ہے وگر عیاں تو ہے ٭ غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں تہاں تو ہے

دل کو سب قیدوں سے اس وقت میں آزادی ہے ٭ مر چکے اب نہیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

یارب سپہر اپنی تو اب در گزر کرے ٭ یہ خانماں خراب کسی دل میں گھر کرے

اس تیغ آبدار کا گر یہ ہی وار ہے ٭ پیارے تو زخمیوں کا ترے وار پار ہے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت جہاں تو ہے ٭ اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہاں تو ہے

نہ مرتے ہیں نہ نیند آتی نہ وہ صورت نظر آتی ہے ٭ یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت سب گزرتی ہے

نہ یاں قصہ سکندر کا نہ مذکور سلیمانی ٭ ہماری بزم میں ہوتا ہے اور ہی ذکر سلطانی

ازبس کہ جہان نقش فنا کا ہی نگیں ہے ٭ دل جس سے لگا پھر سے دیکھا تو نہیں ہے

طلسم ہستی موہوم دل بہ بخت جنبر ہے ٭ برنگ عکس مجکو آئنہ سد سکندر ہے

تعین گر ہٹے دل سے تو کفر آثار ہو جاوے ٭ اگر عقدے کھلیں تسبیح کے زنار ہو جاوے

تری آنکھیں دکھا دیجے تو نرگس مست ہو جاوے ٭ اگر دیکھے یہ قامت سرو گلشن پست ہو جاوے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے ٭ سنگدل کیا تجکو کہیے اپنی ہی تقدیر ہے

تجھ بن کہوں کیا تجھ سے کس طرح کٹے ہے ٭ نے دن ہی سرکتا ہے نہ یاں رات کٹے ہے

سنکیجے کیا؟ آہ! کدھر جائیے ٭ چھوٹیے اس دکھ سے جو مر جائیے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے ٭ سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے ٭ یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے

عبث دل بیکسی پہ اپنی یہ تو ہر وقت روتا ہے ٭ نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

بت پرستی ہے اب نہ بت شکنی ٭ کہ ہمیں تو خدا سے آن بنی

نہیں ہے بے سبب خندۂ دنداں نما ہر دم ٭ کسو کے تو لہو پینے پہ یعنی دانت رکھتا ہے

زبس درد جدائی نے تری بندوں کو مارا ہے ٭ اگر آزار بھی ہوتا ہے تو وجع مفاصل ہے

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا
آئینہ کی یاں اکھڑتی ہی قلعی

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری
اب موند لے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

دیکھا ہی میں نے زندگی کا جب سے سپنا
جلنا ہی سدا ہی مجھکو نت ہی کھپنا
تقصیر معاف تب ہی ہوگی ای درد
جوں شمع کروں گا جب قلم ہوس اپنا

ای درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا
یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا
کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم
کہہ تو سہی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا

عاشق تجھ کو جو گھر نہ پاتا ہوگا
کیا کیا کچھ دل میں اس کے آتا ہوگا
اور دن سے بھی تجھکو تو خوشی حاصل ہی
تیرا جی ووں بھی بہل جاتا ہوگا

پیدا کرے ہرچند تقدس بندا
مشکل ہی کہ ہو حرص سے دل برکندا
جنت میں بھی اکل و شرب سے کب ہی نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی ہوگا دھندا

ای درد یہ پیکھنا جو آکر دیکھا
کچھ تو ہی بتا کہ دل لگا کر دیکھا
مانند مژہ اٹھ گئی صف کی صف ہی
ہم نے تو جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا
اُن باتوں کو اب جو غور کریے اے درد
جو کچھ کہ نہیں ہے روبرو دیکھا تھا
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

موند آنکھ سدا کب تئیں دن ٹالیے گا
اے درد مراقبہ تو کرتے ہو ولے
غفلت کے تئیں بغل میں عوں پالیے گا
ٹک اپنے گریباں میں بھی سر ڈالیے گا

کس کا کون کیا کسو سے کہنا
گزرے ہے اب اس طرح سے اپنی اے درد
اپنا اپنا ہر ایک کا ہے بہنا
رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

یارب مقصود خلق کیا میں ہی تھا
کچھ کام ظہور میں نہ آیا مجھ سے
ایسا تحفہ جہان میں یا میں ہی تھا
بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا میں ہی تھا

آرام نہ دن کو نے قراری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو
نے رات کو چین آہ و زاری کے سبب
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ سر
جوں آئینہ ہر چند کھلی آنکھ و لے
نت پردۂ چشم دل ہے کوری دگر
آتا ہے نظر میں عیب اپنا جوہر

یوں دیکھ کے اپنے غم سے مجکو رنجور
اتنا بھی نہ مرکوئی د توں جیتا رہ
کہتا ہے سمجھ تو سہی گر کچھ ہے شعور
ملتا ہے سبھی تجھے پھر بھی جو مجھ سے منظور

اے درد سدا اگر بپا ہیں یہ جوش و خروش
رہتے ہیں وے اہل تامل خاموش

موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں	گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش
ای درد یہ دردی سے کھونا معلوم گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن	جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم
ای درد بہت کیا پر دیکھا ہم نیں بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کو	دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نیں جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نیں
غم کھاتے ہیں اور آنسو پیتے ہیں گزرے ہی جو کچھ کہ گزرے ہی کیا کہیے	دن رات مجھے عجب طرح بیتے ہیں پر تلخی یہ کہ اب تلک جیتے ہیں
جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں اس علم کی انتہا سمجھنا آگے	ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں ای درد ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں
ای درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں ملا کو بھی کچھ اس میں نہیں ہی انکار	توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں
دریا پہ عبث جاے ہی ساقی سے کہو آنکھیں تری یوں نشے جاتی ہیں چڑھی	لے آئینہ دیکھ ظالم اس عالم کو جوں کشتی چڑھاؤ پہ چلی جاتی ہو
کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ جوں کوچۂ مسواک اسی میں دیکھا	اب تنگ کیجیے دل کو معرفت سے آگاہ کوچہ ہی یہ سربستہ نہیں اس میں راہ

کیا جس میں ہو دنیا کی طلب ۔ بیٹھ سکے
تسکین ۔ شہودِ حق سے ہوتی ہے نصیب
جس دل میں ہوس بھری ہو کب بیٹھ سکے
اُٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

مت پوچھ کہ میں نے عمر کیونکر کاٹی
کس واسطے چاہیے پرکھا اتنا
جس طرح سے کٹ گئی یہ دُوں کر کاٹی
دو روز کی زندگی ہے جوں کر کاٹی

ہر بت کے لیے کب تلک مرتے رہیے
اب ذرد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے
کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے
اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

اے بحرِ علوم سب کو باری باری
تا حشر رہی مریدی و پیری کا
ہے تجھ سے ہی اب حصولِ فیضِ باری
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

آزادی معرفت نے اے درد کبھی
کیوں اُنھی اُٹھائے ہی ہے اب قیدِ حیات
عقدہ نہ کیا قبول جی پر کوئی
یہ بھی جو گرہ سی ہے سو کھل جائے کبھی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
سکتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

یا اُس سے ہی کچھ رسم تغافل کم کی
رونے کو مرے تکے ہے وہ نظروں میں
تاثیر پڑی ہے یا کہ اپنے غم کی
اس گوہرِ اشک کی بھی رتی چمکی

تیرے لیے درد کو کسی سے نہ بنی
بہتیروں نے چاہا پہ کسی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر
ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

جوں کال سے یاں تال کی پیدائی ہی
ووں تال سے کال کی شناسائی ہی
دیکھی تنزیہ اور تشبیہ تمام
وہ اس کے پہ اُس کے یوں ہی کام آئی ہی

کچھ آپ ہی گرا کے کچھ آپ ہی چُنتا ہی
کہتا ہی کچھ آپ آپ ہی سُنتا ہی
ای درد ہمیشہ یہ دل دیوانہ
کیا کچھ اُدھڑتا ہی اور بنتا ہی

عاشق ہوے جس کے اُس کے محبوب بنے
دلخواہ سب اُس کے ساتھ مطلوب بنے
تس پر بھی جو کچھ نہ بنی سو دیکھی تم نے
بس درد خدا سے اب تمھیں خوب بنے

رباعی مستزاد

ای درد شب قدر ہی زلفِ سیاہ
گر دل سے ہی راہ
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیات اللہ
کر ٹک تو نگاہ
جوں آئنہ حیران ہوں میں سر تا پا
ہی عشق گواہ
آتا ہی نظر حسن میں جلوہ کیا کیا
اللہ اللہ

گر شوق ہی جی میں حق کے پہچاننے کا
آرام کرو
کہتا ہوں سخن چھوٹا سا پر ماننے کا
اک کام کرو

ہر چیز اگر تم ہیں تو ہم بندہ ہیں — پہچانو اسے
اور تم ہی ہو تو بندہ کیا جاننے کا — آرام کرو

کیسی تم کو بھاوت ہیں اور کیسی تو سکھ پاوت ہیں — یہ پھلواری ذرہ ذرہ ہیں کچھ اور سمود کھلاوت ہیں
کلیاں من میں سمجھت ہیں پھول گتی کی کھلاوت ہیں — جو دن وا کو بہت گیو ہے وا دن مونکو آوت ہیں

مخمسات

باطن سے جنہوں کے تئیں خبر ہے — ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے — اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترک گفتگو کر — باطن کے صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر — آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار — لیکن ہے یہاں نگاہ در کار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار — آہستہ گزر میانِ کہسار
ہر سنگ دکانِ شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاخ گل — اور زلف کشا عروسِ سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل — تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

نزدیک و بعید ہے برابر — مت ہو وہمِ یاس سے مکدر

آئینہ وہم ہی سراسر ۔۔۔ مانندِ نگہ نکل تو باہر
تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہی

ہر عجز میں کبریا ہی محجوب ۔۔۔ ہی نقص سے ہی کمال مطلوب
کوئی نہیں ہی جہاں میں معیوب ۔۔۔ آگے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہی پردۂ ہنر ہی

ای درد رموز کبریائی ۔۔۔ کب سمجھے ہی زاہد ریائی
سنے عجز نہیں ہی واں رسائی ۔۔۔ ہی مجھکو جہاں یہ پرکشائی
پرواز شکست بال و پر ہی

دیگر

ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی امنگ ہی ۔۔۔ وحشت بھری ہی اور ہی اور ہی ترنگ ہی
ان گم شدوں کے آگے تو عنقا بھی ننگ ہی ۔۔۔ اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہی
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہی

نی فکر صبح کی نہ غمِ شام تھا ہمیں ۔۔۔ نی شوقِ بادہ تھا نہ سرِ جام تھا ہمیں
جب تک عدم میں تھے عجب آرام تھا ہمیں ۔۔۔ اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
ای نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہی

نی یاں ہوائے آب ہی نی حرص نان کی ۔۔۔ نی دہشتِ سفر نہ ہوس ہی جنان کی
زاہد یہ باتیں سب ہیں ترے امتحان کی ۔۔۔ فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہی سو آئنۂ دل پہ زنگ ہی

دیگر

کسی قیمت میں اس کے پاس نقد دین کو لاے ۔۔۔ کبھی دنیا دکھاتے ہیں کہ یوں ہی دام میں جاے
ہمیں یہ سوچ ہی وہ خود فروش اب پھر گرکے ۔۔۔ براہ اوچھے ورہا نہیم نی دہینہ ندو نبائے

دے داریم و اندوہے سرے داریم و سودائے

اگر ان سے دو قوموں نے محبت سہل جانی ہے
ہوں کرتا ہے ترے عشق کی ہر ایک تیک و بد

وے تیغ شعلہ سرکش تو یوں گرمی کرے ہے کد
بنازم چشم و غفلت را عجب بیناے پیچے دارد

بغیر از سینہ ہا کاں ندیدم جوش کند جاے

دیگر

ستاتی ہے مجھے ہر لحظہ کج ادائی دوست
کرے ہے دشمنی اب مجھ سے آشنائی دوست

بڑھی ہے اور یہ طرف جا کے دلربائی دوست
پہ تو بھی دل میں ہے میرے وہی صفائی دوست

وفا مری نہیں دیکھے ہے بیوفائی دوست

مجھے تو نزع میں لگ رہی صبح سے تا شام
پھر اب جو شام ہوئی صبح تک کسے آرام

غرض کہ مجھ کو ہوئی زندگانی تلخ تمام
کہے ہے سن کے مرا حال وہ مجھے کیا کام

نگاہ کیجیو ٹک رنگ بے وفائی دوست

ترکیب بند

شاہنشہ ملک کفر و دین تو
ہے تخت نشین دل نشین تو

ہوں لفظ بمعنی آشنا میں
ہے معنی لفظ آفرین تو

اے زیور دست غیب ہر جا
انگشت نما ہے جوں نگین تو

کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنین تو

دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمی بزم مہر و کین تو

ویرانی وادی گمان تو
آبادی خانہ یقین تو

ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو

کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی
تو ہی تو ہے دل کی بے حجابی

گر روشنی نظر نہیں تو
ہے پردۂ چشم سرمگین تو

معشوق ہے تو ہی، تو ہی عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق

ہیں منتظر دم صبا ہوں
اک عمر گزر گئی سب سمجھتے
سکا بھی تو ٹال سکا نہ مجھ سے
بیگانہ جو مجھ سے وہ پھرے ہے
موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی
نے دل تو نہ کر سکے سمجھ تک
مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
پائی نہ گل وفا کی بو بھی

جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں
شرمندۂ جذب کہربا ہوں
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں
گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں
کوتاہی طبع نارسا ہوں
اس باغ میں جابجا پھرا ہوں

آئندہ نہ کیجیے محبت
دنیا ہے نپٹ ہی جائے عبرت

میرے دم سرد سے نہیں دور
ہوں داغ میں زخم دل کے ہاتھوں

خورشید اگر ہو قرص کافور
بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور

پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے
کرتا ہے مجھے ترا ہی مذکور

ہے غم یہ ترا کہ روز و شب یوں
رکھتا ہے ہمارے دل کو معمور

ایذا میں ہے دیکھ کیا حلاوت
نے نوش نہیں ہے نیشِ زنبور

یاں کھولیو تو سمجھ کے آنکھیں
شمع مجلس ہے شعلۂ طور

اتنا نہ ہوا میں اُڑ سلیماں
کچھ حشمت سے کم نہیں پرِ مور

قائل نہیں اختیار کا میں
بندہ ہے سمجھ میں اپنی مجبور

تو عشق کے رنگ بسر کر ٹک
واصل ہے کوئی کوئی ہے مہجور

پروانہ و شمع مل گئے یوں
ہیں بلبل و گل جدا جدا دوں

اس زیست کا اعتبار کیا ہے
کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے

گزرا ہے نظر سے ایک عالم
یہ چشم نہیں ہے نقشِ پا ہے

ظالم ٹک ادھر تو دیکھ لے تو
کوئی پل میں خدا ہی جانے کیا ہے

ڈھانا تو ہے دل کے تئیں ولیکن
تو جان یہ خانۂ خدا ہے

ہے دید فنا ہی حاصلِ چشم
غنچہ یہ حباب پر کھلا ہے

ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالم
تو مجھکو بتا کہاں چھپا ہے

دنیا سے امید پائداری
یہ وہم ترا کدھر گیا ہے

جوں اشک منہ کسی سے مت پھیر
تیرے دل میں اگر صفا ہے

کچھ پائی خبر نہ میں نے دل کی
کس سکے وہ خیال میں گیا ہے

ہے کہ میرے تئیں سراغ دل کا
پھرتا ہوں لیے یہ داغ دل کا

مت کہہ کہ فلک میں ہیں یہ بڑے ڈھنگ — کس کا ہی سمجھ تو ٹک یہ نیرنگ

ای رشک بہار ہی تجھی سے — یہ روے زمیں پہ آب و رنگ

برعکس سمجھ صفا کو اُس کی — آئینہ کے دل میں ہی بھرا زنگ

ای شیشہ گراں نہیں یہ مینا — پگھلا ہی شراب پر دل سنگ

کرتا ہی تو صلح غیر سے تو — ہم سے ہی مگر ارادۂ جنگ

حیرت کا مری تو یہ اثر ہی — وہ بھی سب مجھے دیکھ رہ گیا دنگ

ہیں پہونچوں خیال کی طرح وان — گر مجھ سے ہو تو ہزار فرسنگ

کرتا ہی یہ دل تو رو نہ نالے — ہر دم سے زیادہ تر خوش آہنگ

ہیں غنچۂ دل گرفتۂ دل — تو عقدہ کشاے خاطر تنگ

جوں زخم مجھے شگفتہ دل رکھ
مت تیغ سے اپنی منفعل رکھ

عاشق ہی اور اضطرار کرنا — اک جا نہ کہیں قرار کرنا

ہم بھی ہیں اُمیدوار ہو کے — ایدھر بھی صبا گزار کرنا

ای عشق قسم ہی قتل گہ میں — پہلے تو ادھر ہی وار کرنا

دل اُس کی گلی کو جب سے چلے تو — میرا بھی ٹک انتظار کرنا

مینا کو نہ توڑ محتسب تو — میرے تئیں سنگسار کرنا

ظالم ہیں تری یہ چشم قاتل — عاشق سے اُنھیں نہ چار کرنا

ہو میرے سوا یہ کس سے ناحق — اپنے تئیں یوں نزار کرنا

ای وعدہ خلاف کب تلک یہ — بے فائدہ انتظار کرنا

وابستہ ہے اُن سے ہو ہو دل
مت ٹوٹ پڑے کوئی کبھو دل

مدّت تئیں عشق دل پہ در تھا
آنکھوں نے جا دھر کی نیزہ بازی
زخمی نہ بچا تری نگہ کا
ہو سامنے کون اس ترّہ کے
پوچھا ہیں کہ دل کو کیوں اجاڑا
ہیں ہم بھی صبا ترے تو ہمراہ
اے نالہ پھرے ہے کیوں بھٹکتا
کیوں ردّ و قبول میں ہے جھگڑا
اے درد جہاں کہیں ہیں دیکھا

دیکھا تو عبث کا درد سر تھا
تھا دل ہی مرا کہ واں سپر تھا
جو زخم تھا سو وہ کارگر تھا
بھرا ہی تو یہ دل و جگر تھا
کہنے لگا خوب اپنا گھر تھا
مدّت سے ارادۂ سفر تھا
تجھ میں بھی کبھو تو کچھ اثر تھا
تجھ میں نہ تو عیب نے ہنر تھا
وہ یار مرا ہی جلوہ گر تھا

خاموش ہو مت جتا کسو کو
آتا ہے نظر خدا کسو کو

تمام شد

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)